ماہنامہ
# قلندر شعور
فروری ۲۰۲۵ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

ساقی ہے شبِ برات پانے کی رات
یہ رات ہے سوتوں کو جگانے کی رات
جو مانگے گا سائل وہ ملے گا بے شک
یہ رات تو ہے خاص پلانے کی رات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# رَبّ رَاضی
# سَبْ رَاضی

جلد 13 شمارہ 1 | فروری 2025ء | شعبان 1446ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
# قلندر شعور
کراچی

Neutral Thinking

(اردو۔انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس۔۔۔پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 130 روپے۔۔۔۔سالانہ ہدیہ 1944 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 75 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

# ۲۹ مضامین کا گُل دان


| | | |
|---|---|---|
| حمد باری تعالیٰ | اسرار آحمد سہاوری | 6 |
| نعت رسول مقبول ﷺ | عرش ملسیانی | 7 |
| رباعیات | ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ | 8 |
| آج کی بات | مدیر مسئول | 10 |
| فقیر کی ڈاک | ادارہ | 15 |
| نامے میرے نام | خانوادہ سلسلہ عظیمیہ | 18 |
| ہر شے سایہ ہے | عائشہ خان (M.A.Mass Comm) | 21 |
| تین سو سال کی نیند | حامد ابراہیم (M.A.Fine Arts) | 27 |
| دو دماغ | ادارہ | 33 |
| میں نے کیا سنا؟ ماں اور بیٹا | عرفانہ شہزاد | 37 |
| خاتون ریاضی دان | منیزہ اظہر | 41 |
| زندگی — تصویر ہے | بلال حسن (M.Phil. Supply Chain) | 47 |
| میرا محافظ اللہ ہے | قرۃ العین واسطی (M.A.Mass Comm) | 51 |
| نغمہ گو پرندے | زاہدہ تبسّم (M.Sc. Zoology) | 57 |

بیزاری ایک بیماری ـــــــــــ شفیق الرحمٰن 63

وقت ضائع ہوا۔۔؟ ـــــــــــ (M.A. IR) نادیہ افتخار 73

دنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں ـــــــــــ روحانی بانو 77

تما گویائی ـــــــــــ سفینہ طارق 83

دسمبر 2024ء کے سرورق کی تشریح ـــــــــــ قارئین 88

مثنوی مولانا رومؒ | نفس کا ترک ـــــــــــ مترجم: قاضی سجاد حسین 91

اقتباسات ـــــــــــ خواتین و حضرات 97

کورشِ اعظم ـــــــــــ (M.Sc. Applied Physics) محمد عدنان خان 99

السلام علیکم ـــــــــــ اظہر حسین 107

سنا ہے ہمیں وہ بھلانے لگے ہیں ـــــــــــ (M.A.Sociology) نفیسہ شاکر 111

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ـــــــــــ عظیمی خواجہ شمس الدین 117

125 Roshan Sitara ______ Waves of Insecurity

128 Uzair Anees ______ Anger

132 Bibi Anuradha (UAE) ______ The Power of Alhamdulillah

136 K. S. Azeemi ______ Message of the Day

# حمد باری تعالیٰ

اسرار احمد سہاوری

بہ اسمِ خدائے تبارک تعالیٰ
جو قادر ہے ہر امر پر لامحالا
ہر اک بات میں جو بھی آئے زباں پر
سخنور کو لازم ہے اس کا حوالا
ہیں محتاج اس کے فقیر اور غنی سب
وہ دیتا ہے خرمن* ہو یا ہو نوالا
وہ چاہے تو تاریک کردے جہاں کو
جو چاہے تو تاریکیاں ہوں اجالا
ہر اک جا پہ موجود ہے اس کی قدرت
کلیسا ہو، مسجد ہو یا ہو شوالا
فراخی زمانے کی ہے اس کے تابع
وہی بخشتا ہے سکوں کا قبالا*
زباں پر ہے سوسن کے اس کا ترانہ
ہے داغِ محبت سے پُرسوز لالا
دلوں کو سکوں بخش ہے اس کی رحمت
وہ سنتا ہے ہر شخص کے دل کا نالا
وہ مالک ہے اسرارِ کون و مکاں کا
نہیں اس کا ثانی، وہ ہے سب سے اعلیٰ

* خرمن (کھلیان، ذخیرہ) * قبالا (سند)

# نعت رسول مقبول ﷺ

عرشؔ ملسیانی

حاملِ جلوۂ ازل، پیکرِ نورِ ذات تو
شانِ پیمبری سے ہے، سرورِ کائنات تُو

فیضِ عمیم* سے ترے قلب و نظر کی وسعتیں
مومنِ حق پرست کا حوصلۂ نجات تُو

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خونِ ہر بشر
حسنِ نمودِ زندگی، رنگِ رخِ حیات تُو

عقدہ کشائے این و آں*، نورِ فزائے* ہر مکاں
قبلۂ اہلِ دل ہے تُو، رونقِ شش جہات تُو

شانِ بشر کا منتہا، خالقِ دہر کا حبیبؐ
مردِ خدا پرست کا، آئینۂ حیات تُو

موردِ التفات ہم تیری نوازشات سے
ذاتِ خدائے پاک سے وقفِ نوازشات تُو

قلب و نظر کے راز سب دہر پہ منکشف ہوئے
روحِ جہانِ راز تُو، جہانِ مکاشفات تُو

مدح سرائے مصطفےٰؐ ہے تو عمل بھی چاہئے
عرشؔ جو ہوسکے تو عزم میں پُرثبات تُو

* عمیم (کامل) * این و آں (دنیا و آخرت) * نورِ فزائے (روشنی بڑھانے والا)

# لکیروں میں بند دنیا

آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند
آدم ہے اسی قید کے اندر خورسند
واضح رہے جس دم یہ لکیریں ٹوٹیں
روکے گی نہ اک دم اسے مٹی کی کمند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔“ (النور: ۳۵)

کائنات میں ہر چیز لہروں کے دوش پر رواں دواں ہے۔ یہ لہریں زندگی کو خوش آرام بناتی ہیں، مصیبت و ابتلا میں بھی مبتلا کر دیتی ہیں۔ نور کے قلم سے نکلی ہوئی ہر لکیر (لہر) نور ہے اور نور جب مظہر بنتا ہے تو روشنی بن جاتا ہے۔ روشنی کم ہو جائے تو اندھیرا چھا جاتا ہے۔ آدم نے اندھیری دنیا میں قید ہونے کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ وہ اس بات پر خوش ہے کہ اسے روشنی کے سمندر میں سے چند روشن قطرے مل جائیں۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ آدم کی تخلیق ایسی اکہری اور دہری لہروں سے ہوئی ہے جو نور سے فیڈ ہوتی ہیں۔ یہ لہریں ایسے گراف کی طرح ہیں جس میں خانے تو ہوں لیکن لکیریں آپس میں اس طرح ملی ہوئی ہوں کہ فاصلہ نظر نہ آئے۔

مثال یہ ہے کہ مصور جب شاگرد کو تصویر بنانا سکھاتا ہے تو وہ گراف یعنی خانوں کے اوپر پنسل پھیرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ناک بنانے کے لئے اتنے گراف طولانی اور اتنے گراف عرضی کے اوپر مخصوص زاویے کے ساتھ جب پنسل پھیری جائے گی تو ناک بن جائے گی اور چہرہ بنانے کے لئے گراف میں خانوں کے اوپر طولانی اور عرضی لکیروں پر جب خانوں کی مناسبت سے پنسل چلائی جائے گی تو چہرہ بن جائے گا۔ اس رباعی میں یہ علم دیا گیا ہے کہ کائنات کے ہر فرد کا نقش لکیروں کے اوپر قائم ہے اور یہ لکیریں اللہ کے نور کا عکس ہیں۔

# آج کی بات

حواس کے دو رخ ہیں۔ ایک حواس پابندی کے جذبات سے آگاہ کرتے ہیں۔ ان کو قرآن کریم میں نہار (دن) کہا گیا ہے۔ اندر میں دوسرے حواس بھی کام کرتے ہیں جن میں زندگی کے تمام اعمال و حرکات انجام دیے جاتے ہیں لیکن ان میں پابندی نہیں ہوتی۔ ان کو لیل (رات) کے حواس کہا گیا ہے۔ پابندی سے ماورا زندگی غیب ہے۔ یہ روح کی آنکھ سے نظر آتی ہے۔ جو اشیا مادی آنکھ سے نظر آتی ہیں، وہ پابند دنیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند اور آزاد دونوں حواس کا علم عطا کیا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں خصوصیت کے ساتھ غیب کی دنیا کا تعارف ہے، وہاں رات کا تذکرہ ہے۔

- پاک ہے وہ (اللہ) جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے دور کی اس مسجد (بیت المقدس) تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے۔ (بنی اسرآءیل : ۱)
- اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور انہیں اور دس سے پورا کیا پھر تیرے رب کی مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی۔ (الاعراف : ۱۴۲)
- شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (القدر : ۳)

ایک اور مقدس رات شبِ برأت میں بھی غیب کا تذکرہ ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے،

**"خاتم النبیین رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا، تم جانتی ہو کہ شعبان کی اس پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ارشاد فرمایئے، کیا ہوتا ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا، اس رات میں اس سال پیدا ہونے والے ہر بچے کا نام لکھ دیا جاتا ہے، اس رات میں اس سال**

مرنے والے ہر آدمی کا نام لکھ لیا جاتا ہے، اس رات میں تمہارے
اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور تمہارا رزق اتارا جاتا ہے۔"

ہر ادارے کی طرح کائنات کا بھی انتظامی شعبہ ہے جسے تکوین* کہتے ہیں۔ تکوینی نظام کے تحت ہر سال مخلوق کی قضاو قدر کے پروگرام کی تجدید ہوتی ہے۔ اس پروگرام کی جن لمحات یا اسپیس میں منظوری ہوتی ہے، وہ "شبِ برأت" ہے۔

شبِ معراج، شبِ برأت اور شبِ قدر مہینوں کے فرق لیکن تسلسل سے آتی ہیں۔ رجب میں معراج کی رات ہے، شعبان میں شبِ برأت ہے اور رمضان میں شبِ قدر۔ یہ تینوں راتیں پابند حواس سے نکل کر آزاد حواس میں داخل ہونے کا پروگرام ہیں۔ معراج کی رات سے کوشش کی جائے تو شبِ برأت آنے تک بندہ اس کے حواس سے مانوس ہوسکتا ہے، اس کے بعد شبِ قدر کی تیاری ہے جس میں حواس کی رفتار ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہو جاتی ہے اور بندہ غیب کی دنیا میں داخل ہوکر فرشتوں سے مصافحہ کرتا ہے۔

شبِ برأت میں جہاں گزشتہ سال کے اعمال و وسائل کی فائل بند ہوتی ہے، وہاں آئندہ سال کا ریکارڈ منظور ہوتا ہے۔ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا کا تعین ہوتا ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ شبِ برأت میں عبادت، صدقہ و خیرات اور لنگر کی تقسیم کا فائدہ اگلے سال پہنچتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایک آدمی نے پورے سال نافرمانی کی اور شبِ برأت میں عبادت اور اچھے کام کر کے سمجھا کہ اعمال نامے میں سے نافرمانی کا خانہ خالی ہوگیا۔ ہر شبِ برأت میں پچھلے سال کی فائل بند ہوتی ہے اور اگلے سال کی کھلتی ہے۔ اس رات عبادت کا فائدہ ضرور پہنچتا ہے لیکن وہ اگلے سال کے ریکارڈ میں لکھا جاتا ہے۔ پچھلے سال آپ اچھا یا برا جو کچھ کر چکے ہیں، اس کے حساب سے جزا اور سزا، وسائل میں کمی اور اضافے کا تعین

* تکوین (Administration)

ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے لئے ایثار کرتا ہے، اللہ کے لئے خرچ کرتا ہے، اس میں نمائش نہیں ہوتی، اس کا بجٹ بڑھا دیا جاتا ہے اور جس کا عمل اس کے برعکس ہے، اس کا بجٹ..... ؟

ایک آدمی بھوکا ہے، وہ روٹی کے لئے سوال کرتا ہے، آپ روٹی نہیں کھلاتے تو ہوتا یہ ہے کہ جس طرح اللہ کے لئے ایک روپیہ خرچ کرنے سے وسائل میں دس گنا اضافہ ہوتا ہے، اسی صورت سے اللہ کے لئے خرچ نہ کرنے پر وسائل دس گنا کم ہو جاتے ہیں۔

مرشد کریم ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ سے میں نے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے ایک مثال دے کر بیان فرمایا،

"تم دوست کے گھر جاتے ہو۔ ذہن میں یہ بات ہے کہ دوست کے پاس جا رہا ہوں، وہ نہایت اخلاق سے پیش آئے گا، گھر میں بٹھائے گا، چائے پلائے گا۔ ایک پیالی چائے کی قیمت ایک روپیہ سمجھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ تم نے توقع قائم کرلی کہ دوست میرے لئے ایک روپیہ خرچ کرے گا۔ اب دوست نے چائے نہیں پلائی، ایک روپیہ خرچ نہیں کیا تو دوست کا کچھ حساب کتاب نہیں ہوا۔ تم اپنے گھر آ گئے۔ مہینے دو مہینے میں، دوسرے دن یا کسی مدت میں دوست تمہارے گھر آیا۔ اس نے توقع نہیں کی کہ تم اسے چائے پلاؤ گے اور تم نے چائے نہیں پلائی تو تمہارے وسائل میں سے دس گنا کم ہو جائیں گے۔ اس لئے کم ہو جائیں گے کہ دوست نے توقع قائم نہیں کی، تم نے دوست سے توقع قائم کی ہے۔ وہ توقع پر پورا اترے یا نہ اترے، اس کے حقوق تم پر قائم ہو جاتے ہیں۔ تم نے اس سے ایک روپے کی توقع قائم کرلی تو قانون کے مطابق اس کے حقوق تم پر متعیّن ہو گئے۔ شبِ برأت میں یہ سب چیزیں زیرِ بحث آتی ہیں اور اسی حساب سے وسائل میں اضافہ یا کمی ہوتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جو اپنے لئے چاہو، اپنے بھائی بہنوں اور مخلوق کے لئے بھی چاہو۔ آپ اللہ سے توقعات قائم کرتے ہیں لیکن حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے نہیں

کرتے تو الٰہی قانون کے تحت تلافی اس طرح ہوگی کہ وسائل میں کمی ہوتی ہے۔ اگر آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرتے ہیں، وسائل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اللہ کے حقوق کیا ہیں ــــ؟ اللہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ میرے بندے بھی ایک دوسرے سے محبت کریں تاکہ خوشی اور دکھ درد میں شریک ہوں۔ کسی جگہ کھانے پینے کی ضرورت ہے، آپ نے حسبِ استطاعت لوگوں کو کھانا کھلایا۔ یہ اللہ کی محبت میں اپنے بھائی بہنوں کی خدمت ہے۔ اللہ نے اس امر کو قبول فرمایا اور خدمت انعام بن گئی۔ شبِ برأت میں سال کے سال حساب کتاب ہوتا ہے۔

••ــــــــــــــــــ••

**تکوین:** علمائے باطن فرماتے ہیں کہ آدمی اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کا 30 سال کا پروگرام بنتا ہے۔ 30 سال دس دس سال میں تقسیم ہوتے ہیں، کبھی پانچ پانچ سال میں تقسیم ہوتے ہیں اور ہر سال اس کی تجدید ہوتی ہے ــــ اعمال کی مناسبت سے وسائل میں کمی یا اضافہ ہوتا ہے۔ وسائل میں زندگی کے تقاضے اور رشتے سب شامل ہیں۔

قاری کے ذہن میں سوال آسکتا ہے کہ آدمی پیدا ہوتا ہے لیکن ہر آدمی کو 30 سال دیکھنا نصیب نہیں ہوتے، کچھ لوگ پہلے چلے جاتے ہیں پھر 30 سال کا پروگرام کیا ہے؟

پروگرام تو 30 سال کا ہوتا ہے لیکن اس کو 30 سال تک چلایا جائے یا نہ چلایا جائے یا پھر دس دس سال، پانچ پانچ سال، ایک ایک سال کر کے آگے بڑھایا جائے یا نہ بڑھایا جائے، یہ اختیار اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ اللہ چاہے تو 30 سال کی روشنی کا ذخیرہ ایک دن میں خرچ ہوسکتا ہے، اس کی اسپیس 60 سال، 90 سال اور 120 سال بھی ہوسکتی ہے۔

اس طرح سمجھئے کہ زید نے عمارت کی تعمیر شروع کی۔ پروگرام ہے کہ عمارت دس ماہ میں مکمل ہو لیکن بنیاد رکھتے ہی ارادہ بدل گیا۔ ارادہ بدلنے سے عمارت کی تعمیر زیرِ بحث

نہیں آتی۔ عمارت کی تعمیر کے لئے درکار توانائی ارادہ بدلتے ہی خرچ ہوگئی۔

عمر کا تعلق توانائی کے ذخیرے سے ہے۔ اگر آدمی کے اندر استغنا اور سکون ہے، خیر و محبت اور خدمتِ خلق کا جذبہ ہے اور وہ دل آزاری سے گریز کرتا ہے تو توانائی زیادہ دن چلتی ہے۔ یہ وسائل کی تقسیم کا سلسلہ ہے جس کا حساب کتاب شبِ برأت میں ہوتا ہے۔

مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا ہے کہ شبِ برأت میں درود شریف پڑھا جائے، نوافل زیادہ سے زیادہ پڑھی جائیں، قرآن کریم کو ترجمے کے ساتھ پڑھا جائے، سورۂ کوثر کا ورد زیادہ کیا جائے، توبہ استغفار کی جائے اور ان غلطیوں کو نہ دہرایا جائے جن سے توبہ کی ہے، ضرورت مندوں کی مدد کی جائے، کھانا پکا کر تقسیم کیا جائے۔

صورتِ حال یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے ہوں نہ ہوں، بس مانگتے رہو۔ آپ اللہ سے مانگتے ہیں تو اللہ کے لئے خرچ کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ ہر احتیاج سے پاک ہے — اللہ چاہتا ہے کہ مخلوق محبت کے ساتھ مخلوق سے ربط میں رہے تا کہ کائنات اور مخلوقات کی تخلیق کا تقاضا پورا ہو۔

شبِ برأت وسائل کی تجدید کی رات ہے۔ اس رات کی برکات سے فیض یاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جو اعمال اور عبادات آدمی اس رات کے لئے مخصوص کرتا ہے، کوشش کی جائے کہ پورا سال ان پر عمل کیا جائے۔

اللہ حافظ

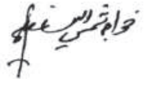

# فقیر کی ڈاک

تفکر ــــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ تفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ــــ عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی ہے۔ ’’فقیر کی ڈاک‘‘ اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب شعور کے تانے بانے کو لاشعور سے جوڑ دیتے ہیں۔

---

محترم عظیمی صاحب ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

آپ فرماتے ہیں کہ دنیا عارضی اور فکشن ہے، جو آتا ہے، اسے جانا ضرور ہے اور جانا بھی اس طرح کہ سکندر کی طرح خالی ہاتھ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب کے شعر میں بھی بے ثبات دنیا کا ذکر ہے،

؎ ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ  عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

گزارش ہے کہ ’’دنیا خیال ہے‘‘ کی روحانی توجیہہ بیان کر دیجئے۔

نیاز مند۔ حضرت شاہ (نواب شاہ)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

زندگی جس نظام پر چل رہی ہے، اس نظام پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ بات تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ زندگی خیالات کے اوپر قائم ہے۔ خیالات کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو زندگی کے تمام تقاضے، تمام حواس اور زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ زمین کی کوئی حرکت، کام اور تقاضا ایسا نہیں جس کو حرکت، تقاضے یا خیالات سے باہر کر دیا جائے۔ کام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلے کام کے متعلق ذہن پر خیال وارد ہو اور خیال کے اندر گہرائی پیدا ہو۔ جب تک گہرائی پیدا نہیں ہوتی، خیال تصوراتی شکل وصورت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جب تک تصورات میں گہرائی واقع نہیں ہوتی، کوئی چیز مظاہرہ نہیں کرتی۔

خیال سے پہلے ایک لطیف صورت اور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا دباؤ ذہن پر پڑتا ہے۔ اس خیالی کیفیت کی بنیاد پر آدمی خیال میں معانی پہناتا ہے۔ خیال کی لطیف کیفیت کو عرفِ عام میں ”وہم“ کہا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں جب گہرائی آتی ہے تو ”واہمہ“ خیال بن جاتا ہے۔ ایکویشن یہ بنی،

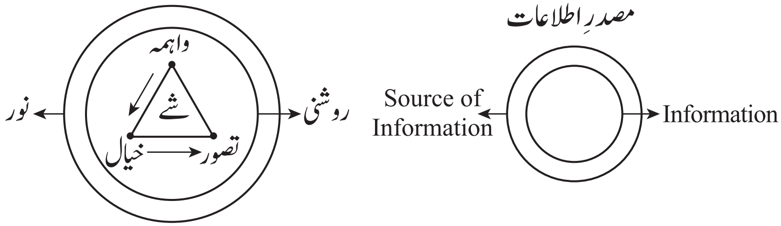


یہ بات سمجھ میں آگئی کہ خیال کے بعد زندگی کے سارے تقاضے بنتے ہیں یعنی زندگی بندگی اور بندگی زندگی بن جاتی ہے — غور طلب ہے کہ خیال آتا کہاں سے ہے۔

ایک کتاب المبین ہے، 30 کروڑ لوحِ محفوظ ہیں۔ کتاب المبین تجلّیات اور مشیّت کا خزانہ ہے۔ لوحِ محفوظ پر کتاب المبین سے نقوش جب print ہوتے ہیں تو روشنی کی لہروں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ان لہروں کو ہم لکیریں کہیں گے، ایسی لکیریں جو آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔ ذہن سے لکیروں کا ٹکرانا واہمہ ہے۔ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے ان لکیروں کو نسمہ کا نام دیا ہے۔ لوحِ محفوظ سے یہ لکیریں (rays) نزول کرکے ذہنِ انسانی پر وارد نہ ہوں تو انسان واہمہ اور خیال سے واقف نہیں ہوتا۔ جب تک واہمہ اور خیال سے واقفیت نہیں ہوتی، کوئی ذی روح زندگی کے تقاضوں سے واقف نہیں ہوتا۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ ذہن میں کوئی خیال آتا ہے۔ کچھ خیالات ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم اپنی زندگی سے وابستہ خیال کرتے ہیں اور بے شمار خیالات ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم اہمیت نہیں دیتے، نظر انداز کر دیتے ہیں اور بالکل لاعلمی اختیار کرکے گزر جاتے ہیں۔

لوحِ محفوظ کا قانون ہے کہ خیال ذہن پر وارد ہوتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس خیال کا تعلق کائنات کے کسی نہ کسی شعبے سے ضرور ہے۔ خیال کا آنا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ خیال کہیں سے آیا اور یہ خیال ذہنِ انسانی سے ٹکرایا تو ذہن میں حرکت پیدا ہوئی۔ ایسی حرکت کہ جس کے بارے میں

ہم حتمی رائے قائم نہیں کر سکتے لیکن تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ذہن کے پردوں میں حرکت واقع ہوئی ہے۔ چوں کہ ہم اس حرکت کو محسوس نہیں کرتے یا حرکت میں معانی نہیں پہنا سکتے یا حرکت کا اپنی ذات یا کائنات سے رشتہ نہیں جوڑ سکتے اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ اس حرکت کا تعلق کائنات کے ان تاروں یا لہروں سے ہے یا کائنات میں کام کرنے والی ان لکیروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب و تدوین کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کرہ طوالانی گردش اور محوری گردش میں خلا میں ہوا اور آکسیجن کے دوش پر گھوم رہا ہے۔ ہوا چلتی رہتی ہے، ہوا کی تیزی، کمی، خنکی اور گرمی سے ہم متعارف ہیں لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب ہوا معمول سے ہٹ کر تیز جھونکوں* میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ عمل یعنی تیز جھونکوں میں منتقل ہونا چوں کہ روٹین کی حرکت کے خلاف ہے، لازماً سوچنا پڑے گا کہ جس نظام میں ہوا بنتی ہے یا جس نظام سے ہوا چل کر فضا میں پھیلتی ہے، اس نظام میں تغیر واقع ہوا ہے۔ اسی طرح جب ذہن میں کوئی حرکت واقع ہوتی ہے یا کوئی خیال وارد ہوتا ہے تو اس کے معانی یہ ہیں کہ انسان کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں حرکت واقع ہوئی ہے۔ اس حرکت کا کس نظام سے تعلق ہے، یہ فرد کی خود اپنی تلاش پر منحصر ہے۔ جیسے جیسے کوئی آدمی گہرائی میں تفکر کرنے کے بعد لاشعور سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے، اسی مناسبت سے تلاش آسان ہو جاتی ہے۔

(قانون) ذہن کی دو سطحیں ہیں۔ ایک سطح وہ ہے جو فرد کی ذہنی حرکت کو کائناتی حرکت سے ملاتی ہے یعنی یہ حرکت فرد کے محسوسات کو فرد کے ذہن تک لاتی ہے۔

تخلیقِ کائنات کے فارمولوں کے مطابق کائنات نور اور روشنی سے مرکب ہے۔ کائنات کا ایک رخ نور ہے اور دوسرا رخ روشنی ہے۔ نور کی دنیا لاشعوری اور ماورائی دنیا ہے اور روشنی کی دنیا مظاہراتی اور مادی دنیا ہے۔ مادی دنیا کا ہر چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ یا خلیہ (cell) نور کے غلاف میں بند ہے۔

دعا گو، عظیمی

نوٹ: علم شناس خواتین و حضرات فروری 2025ء کی "فقیر کی ڈاک" پڑھئے اور تبصرہ کیجئے ___ شکریہ۔

---

* تیز جھونکے (ہوا اور آکسیجن کا دباؤ)

# نامے میرے نام

"ماہنامہ قلندر شعور" نے قارئین خواتین و حضرات کو رسالے کے پلیٹ فارم سے تفکر کی دعوت دی ہے۔ رابطے کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔ ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" کا قارئین کے تفکر سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

---

دسمبر 2024ء کے "آج کی بات" پر موصول تفکر نامے میں سے منتخب خطوط:

◈ معظم علی (ورجینیا، امریکا): دسمبر 2024ء کا "آج کی بات" سیپ میں موتی کی طرح ہے۔ یہ ایک نظر پڑھنے میں آسان لگتا ہے لیکن سمجھنے بیٹھو تو ذہن سیپ کے خول کی طرح علم کی ان پرتوں تک پہنچ جاتا ہے جن کے کھلنے میں وقت لگتا ہے۔ زندگی ایک ہے لیکن ذہن ایک نہیں ہیں۔ نسل در نسل منتقل ہونے والی روایات کی وجہ سے زندگی فریبِ نظر ہوگئی ہے۔ آخری صفحے پر سوال کا جواب یہ ہے کہ میری عمر صفر (0) ہے کیوں کہ جو دن غیب سے آتا ہے، وہ واپس غیب میں چلا جاتا ہے۔

◈ علینہ (کراچی): ہدایت کے مطابق سورۃ الاخلاص ترجمے کے ساتھ پڑھی پھر "آج کی بات" کا مطالعہ کیا جس میں خالق اور مخلوق کا تعارف بیان ہوا ہے۔ خالقِ کائنات اللہ "احد" ہے، مخلوق کثرت ہے۔ اللہ "الصمد" ہے، مخلوق اپنے وجود کے لئے اللہ کی محتاج ہے اور اللہ بے حساب رزق (وسائل) عطا کرنے والا ہے۔ مخلوق پیدا ہوتی ہے اور رشتوں میں تقسیم ہے، اللہ ابتدا و انتہا سے آزاد ہے۔

◈ اویس تنویر (میرپور): میری عمر 45 سال ہے۔ ایک کو صفر سے ضرب دیا تو 45 سال صفر ہوگئے یعنی میں خود کو موجود سمجھ رہا ہوں لیکن میں موجود نہیں ہوں پھر میں کیا ہوں اور صفر کیا ہے؟

◈ بی بی انورادھا (دبئی): ہر ماہ کے اداریہ کی طرح دسمبر 2024ء کا اداریہ بھی حکمت و راہ نمائی سے بھرپور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات اپنی معرفت کے لئے تخلیق کی ہے جب کہ ہمارے روز و شب دنیاوی آسائشوں تک محدود ہیں اور ہم اس طرزِ حیات کو ترقی کا نام دیتے ہیں۔

◇ بابر طارق (اسلام آباد): پہلی دو سطروں میں "اکائی" کے سولا کھ ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور آخری صفحے پر عمر کو صفر یعنی nil بتایا گیا ہے۔ ایک کو سولا کھ دیکھنا اور ایک کو ایک بھی دیکھنا illusion ہے۔ نظر آنے والی ہر شے الوژن ہے۔ الوژن اس لئے ہے کہ ہم شے کو دیکھتے ہیں لیکن صفر یا دائرے کو نہیں دیکھتے جو شے پر محیط ہے۔ دائرے سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جو لامحدود ہیں۔

◇ اسما بتول (سکھر): "آج کی بات" پر غور وفکر سے شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدینؒ کا دوہا یاد آیا،

ے مانس ہے سب آتما، مانس ہے سب راکھ      بِندی کی گنتی نہیں، بِندی میں سولا کھ

بِندی ایک رنگ میں ہے لیکن جب کھلتی ہے تو مظاہرہ سولا کھ رنگوں میں ہوتا ہے۔

◇ عائشہ (کراچی): لکھا ہے کہ "چاند کی کرنیں سمندر میں مدوجزر پیدا کرنے کے ساتھ پھلوں اور اجناس میں مٹھاس منتقل کرتی ہیں"۔ آپ کی ایک تحریر میں پڑھا تھا کہ چاند کی دنیا میں پارے کا غلبہ ہے۔ پارے اور لہروں میں مدوجزر کا تعلق سمجھ میں آتا ہے۔ سوال ہے کہ پھلوں میں مٹھاس چاند کی کرنوں سے ہے، چاند کی کرنوں میں مٹھاس کہاں سے آتی ہے؟ مٹھاس کا تعلق ثقل سے ہے اور چاند فلکی مخلوق ہے۔ چاند، مٹھاس اور ثقل — گزارش ہے، ان میں باہمی ربط پر روشنی ڈالئے۔

● جواب آئندہ مہینوں میں "فقیر کی ڈاک" میں پڑھئے۔ (ادارہ)

◇ سدرہ مشتاق (ساہیوال): زندگی طویل ہو یا مختصر — پہلے دن پر قائم ہے اور پہلا دن الوژن ہے کیوں کہ اسے صفر سے ضرب دیا جائے تو وہ صفر ہو جاتا ہے یعنی پہلا دن صفر میں چھپ جاتا ہے۔

◇ تنزیلہ سلامت (ٹورنٹو، کینیڈا): "ماں کے بطن میں بچے کے نقوش کی طرح فرد کا ریکارڈ زمین کی اسکرین پر موجود رہتا ہے۔" اس جملے میں دو بڑے نظاموں کی وضاحت اور ان میں مماثلت بیان کی گئی ہے۔ ریکارڈ ربط قائم رکھتا ہے اور اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ریکارڈ اپنی طرف کیوں کھینچتا ہے؟

◇ عمر (پھالیہ): ایک ہفتہ مسلسل نعمتیں شمار کرنے سے شکر کا خانہ بھرا اور ناشکری کا خانہ خالی ہو گیا۔

◇ فائق احمد (لاہور): "آج کی بات" پڑھ کر عمر کا حساب لگایا تو ساحرؔ دہلوی کا شعر یاد آ گیا۔

ے قائم ازل سے دورِ تسلسل ہے تا ابد      ہنگامہ مرگ و زیست کا وہمِ نظر ہوا

## دسمبر 2024ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

◈ لبنیٰ رفیق (راس الخیمہ): دسمبر 2024ء کے ”نامے میرے نام“ میں قارئین کے بھیجے ہوئے نقشے دیکھے تو رشک آیا کہ ذہن کتنے روشن ہو گئے ہیں اور لکیروں میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے مضامین بیدار ذہنوں کا رنگ ہیں۔ پُر آشوب دور میں اِس رسالے کا اجرا نعمت ہے۔

◈ فرخندہ جبیں (حیدر آباد): ”فقیر کی ڈاک“ میں ڈاکٹر ثمینہ عامر (Ph.D. Colour Therapy) کے خط کا جواب پڑھ کر خوشی ہوئی۔ بہت عرصے بعد اس طرح کا خط شائع ہوا۔

◈ آصفہ سلیم (کوئٹہ): ”آٹھ ٹائم زون“ منفرد مضمون تھا۔ دن رات کو سمجھنے کے لئے خطِ استوا کی مدد سے زمین پر وقت کا تعین فرضی ہے اور اسپیس سوالیہ نشان بن گئی ہے۔ پیر کے دن کراچی سے ہوائی جہاز میں بیٹھنے والا بندہ جب پیر ہی کے دن نیویارک پہنچتا ہے تو شعور پر لازماً ضرب پڑتی ہے کہ گھنٹوں پر محیط سفر کی اسپیس کہاں چلی گئی؟ دسمبر 2024ء کے مضامین بہت اچھے ہیں۔

◈ سعید مجید (سرگودھا): پہلے میں صرف اپنی پسند کے مضمون پڑھتا تھا۔ آپ نے مجھے شروع سے آخر تک ترتیب سے رسالہ پڑھنا سکھایا۔ ترتیب سے پڑھنے سے مزاج میں ٹھہراؤ آیا ہے، ذہن ہلکا ہو جاتا ہے۔ بالخصوص اولیاء اللہ کے حالات پڑھنے سے سکون ملتا ہے۔ ”کورشِ اعظم“، ”مثنوی مولانا روم“ اور ”میں نے کیا سنا؟“ دلچسپ ہیں۔

◈ صفوان عزیز (کراچی): روشن نظیر صاحبہ نے ”چاند کے تمنائی“ لکھ کر معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے۔ یہ کہانی خواتین کو بار بار پڑھنی چاہئے کیوں کہ رشتوں میں تاخیر کی بڑی وجہ خود خواتین ہیں۔ بات تلخ ہے لیکن دیکھا یہ ہے کہ صنفِ نازک کی مخالف خود صنفِ نازک ہے۔

◈ تہمینہ ذاکر (چکوال): ”بچوں کا قلندر شعور“ میں ”اللہ مجھے دیکھ رہا ہے“ اور بڑوں کے ”ماہنامہ قلندر شعور“ میں ”رب راضی، سب راضی“ دیکھ کر آنکھیں خوش ہوتی ہیں اور دل مسرور ہوتا ہے۔ ان کو بڑے سائز میں فریم کروا کر گھر میں آویزاں کرنا چاہتی ہوں۔ ادارے کا تعاون درکار ہے۔

عائشہ خان

# ہر شے سایہ ہے

گفتگو میں مصروف دو آدمیوں کے سایوں پر نگاہ مرکوز کرنے سے ذہن کھلا کہ جسم کے ساتھ بولنے والے کی آواز بھی سائے میں موجود ہوتی ہے۔

سایہ کیا ہے اور سائے کی مساوات کیا ہے؟ عرصہ دراز سے جواب کی جستجو میں ہوں۔ دیوار اور زمین پر بننے والے سایوں کو دیکھتی ہوں۔ یہ دن کی روشنی میں چھوٹے اور گہرے ہوتے ہیں، رات کی روشنی میں دراز اور مدہم نظر آتے ہیں۔ دن میں ایک سے زیادہ سائے بنتے ہیں لیکن تیز روشنی کی وجہ سے کم تعداد میں نظر آتے ہیں۔ رات میں بھی تعداد ایک سے زیادہ ہوتی ہے اور ترتیب سے ہر سائے کا سایہ نظر آتا ہے۔ سائے کی طوالت کا تعلق سورج کے زمین سے قریب دور ہونے سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سورج قریب ہو یا دور، ہر چھوٹی بڑی تخلیق کا سایہ ہمہ وقت زمین پر موجود رہتا ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے۔

زمین اور دیوار پر بننے والے سایوں پر غور کیا تو دلچسپ مشاہدات ہوئے۔ سائے اجسام کی حرکت کے تابع تھے جیسے درخت کی شاخیں لہلہانے سے زمین پر ان کا سایہ لہلہایا۔ شاخ پر بیٹھا پرندہ اڑا تو اس کے سائے نے بھی پرواز کی۔ دو آدمی دھوپ میں کھڑے بات کر رہے تھے۔ ان کے سائے پر نظر ٹھہری تو فریب نے جال بُنا کہ آدمی نہیں، ان کے سائے بول رہے ہیں اور ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ نقوش واضح نہ ہو سکے لیکن جسمانی خاکہ نمایاں تھا جس سے علم ہوا کہ کون بول رہا ہے اور کون خاموش ہے۔

طویل اور مختصر سفر کے دوران گاڑی اور موٹر سائیکل سواروں کے سڑک پر بننے والے سائے دیکھے۔ ہر سایہ پوری حرکات کے ساتھ مجسم تھا۔ یاد نہیں رہا کہ میں سایہ دیکھ رہی ہوں۔ جب نظر مظاہرے پر ہو، جہاں سے اطلاع

آرہی ہے، وہاں نہ ہو تو ہم سائے کو اصل سمجھ کر گمان کرتے ہیں کہ سایہ حرکت کرتا ہے جب کہ سایہ محض عکس ہے جو کہیں سے آنے والی اطلاع کا مظاہرہ ہے۔ اس نکتے کی روشنی میں اطلاع اور مظاہرے کو مشاہداتی طرزوں میں سمجھا جاسکتا ہے۔

—•◎•—

تجربہ: دن کی روشنی میں بیٹری سے چلنے والا ہرن فرش پر رکھا تو کچھ فاصلے پر پیچھے کی طرف دیوار پر ہرن کا سایہ بنا۔ سائے کو دیکھنے سے دماغ کی اسکرین پر تصویر بنی اور نظر آیا کہ ہرن کھڑا ہے۔ ہرن نے پہلے دائیں بائیں دیکھا، چند قدم لئے اور قلانچیں بھریں۔ بیٹری میں توانائی کی مقدار صفر پر پہنچتے ہی ہرن ساکت ہوگیا۔

یہ حقیقت کا مشاہدہ تھا، فریب کا یا حقیقت سے واقف ہونے کا، فیصلہ قارئین کریں۔

نظر اب تک دیوار پر تھی کیوں کہ انتظار تھا کہ ہرن دوبارہ حرکت کب کرے گا۔ بھول گئی کہ جس ہرن (سایہ) کو میں دیکھ رہی ہوں، وہ اطلاع کا مظاہرہ ہے۔ حرکت اطلاع میں ہے، مظاہرے میں نہیں ہے۔ اطلاع حرکت کرتی ہے — مظاہرہ حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔

جس ہرن (سایہ) کو میں دیکھ رہی تھی، جب اُس نے گردن گھمائی تو یہ اُس ہرن نے گردن نہیں گھمائی جسے میں دیکھ رہی تھی — گردن قریب موجود بیٹری سے چلنے والے ہرن نے گھمائی تھی جس کی اطلاع کچھ فاصلے پر پیچھے کی طرف نظر آنے والے ہرن (سایہ) تک پہنچی۔

ایسے میں بیٹری سے چلنے والے ہرن کی حیثیت اطلاع کی ہے۔ بیٹری کو کہاں سے تحریک ملتی ہے، اس کی وضاحت مضمون میں موجود ہے۔

فارمولا یہ ہے،

ایک اطلاع ہے۔ ایک مظاہرہ ہے۔

اطلاع بھی ہرن ہے اور مظاہرہ بھی

لیکن مظاہرہ اطلاع کا سایہ (عکس) ہے۔

حرکت اطلاع میں ہے، سائے میں نہیں۔

سایہ اطلاع کو ظاہر کرنے کا وسیلہ ہے۔

ایک بیٹری والا ہرن ہے، دوسرا سایہ ہے۔ سایہ مظاہرہ ہے اور بیٹری والا ہرن سائے کے لئے اطلاع ہے۔

—•◎•—

تحقیق و تلاش (سائنس) کہتی ہے کہ سایہ

تاریک یا دھندلا حصہ ہے جو روشنی کے راستے میں رکاوٹ کی وجہ سے بنتا ہے۔ روشنی ہر لمحہ سفر میں ہے۔ روشنی کے درمیان میں کوئی جسم آتا ہے تو روشنی کا کچھ حصہ آگے بڑھنے سے رک جاتا ہے اور جسمانی ہیولے کے مطابق تاریکی کو ظاہر کرتا ہے جسے "سایہ" کہتے ہیں۔ تاریک حصہ آس پاس روشنی بکھرنے اور انعکاس کی وجہ سے مکمل تاریک نہیں ہوتا بلکہ نسبتاً کم روشن ہوتا ہے۔ سائنس یہ کہتی ہے کہ سایہ دن یعنی روشنی کی موجودگی میں بنتا ہے، رات میں سائے نہیں بنتے۔

سائنس ایسا کیوں کہتی ہے، اس سے قطع نظر علمائے روحانیت فرماتے ہیں کہ رات، دن کی طرح روشن ہے۔ رات کے رنگوں سے غیر مانوسیت کو "اندھیرا" کہہ دیا گیا ہے۔

"راز" یہ ہے کہ ہمیں سورج سے منعکس شدہ روشنی میں دیکھنے کی عادت ہے۔ ہم براہِ راست نہیں دیکھتے۔ بالواسطہ دیکھنا یہ ہے کہ جب تک روشنی یا لہر کسی چیز سے ٹکرا کر واپس مظاہرہ نہیں بنتی، ہم نہیں دیکھتے۔ ہم رکاوٹ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں جس کو reflection یا عکس کہتے ہیں۔ یہ دیکھنے کی ناقص طرز ہے۔

دن اور رات کیا ہیں —؟ جب لاشعور سے آنے والی روشن لہروں کے درمیان خلا بڑھتا ہے تو یہ دن ہے اور جب شعاعوں کے درمیان خلا سمٹتا ہے تو اس مظہر کا نام رات ہے۔ ہم خلا کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔

سائے کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ بات سے بات نکلے گی اور زمین کا محیط بشمول رنگوں کا نظام زیرِ بحث آجاتا ہے۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سایہ اصل کی نقل ہے۔ نقل — اصل سے دوری کو ظاہر کرتی ہے۔ سوالیہ نشان یہ ہے کہ

قرب اور دوری کیا ہے؟

گفتگو میں مصروف دو آدمیوں کے سایوں پر نگاہ مرکوز کرنے سے ذہن کھلا کہ جسم کے ساتھ بولنے والے کی آواز بھی سائے میں موجود ہوتی ہے۔ جس طرح سراب زمین پر، فضا میں اور پانی پر بنتا ہے، اسی طرح صوتی سائے بننے کے ایک سے زیادہ میکانزم ہیں۔ آواز (صوت) کے فضا میں بننے والے سائے کو ہم بازگشت یعنی echo کہتے ہیں۔ بازگشت کو ہم ایک خاص فاصلے تک سنتے ہیں، سماعتی حد محدود ہونے سے بعد ازاں اسے غائب سمجھ لیتے ہیں۔

اگرچہ سایہ پوری جسمانی حرکات، جذبات اور آواز کے ساتھ ریکارڈ ہوتا ہے لیکن زمین پر بننے والے سائے میں بولنے والے کے چہرے کے زاویے ظاہر ہوتے ہیں، آواز سنائی نہیں دیتی۔ تفکر نشاندہی کرتا ہے کہ آواز کی لہریں جسم کے مقابلے میں لطیف ہیں۔ یہ زمین یا دیوار میں جذب ہو کر بہت مدہم ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے ہم اسے سننے سے قاصر ہیں لیکن ہم سن سکتے ہیں۔

سایہ ہماری طرح رنگین ہے لیکن تاریک نظر آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ مٹی کے جسم سے الگ ایک وجود ہے اور اس کا تعلق ایسے نظام سے ہے جس کے رنگ دیکھنے کے لئے آدمی کی بصیرت اور بصارت محدود ہے۔

دستک: تفکر کے دوران ایک سے زیادہ بننے والے سایوں نے بار بار دستک دی۔ ذہن متوجہ ہوا کہ ہر سائے کا سایہ ہے جو روشنی سے دور ہونے کی وجہ سے بتدریج ہلکا ہوتا جاتا ہے۔ تعداد پر تفکر سے بند ذہن کھلا کہ زمین پر ہر شے سایہ ہے۔ آدمی یا ہرن کا سایہ فرش یا دیوار پر بنتا ہے تو اس اعتبار سے آدمی بھی کہیں سے آیا ہے اور کہیں جا رہا ہے — وہ کائناتی ریکارڈ میں موجود اپنے کردار کا زمین پر سایہ ہے۔

فہم: لاشعور سے روشنی آتی ہے اور کہکشانی نظاموں میں پھیلتی ہے۔ روشنی میں پوری کائنات کی اطلاعات ہیں۔ پروجیکٹر پر فلم کے فیتے کی طرح جس میں پوری فلم ریکارڈ ہے، جب فیتے پر سے روشنی گزرتی ہے تو اس پر نقش تصاویر کے سایوں کو اسکرین پر بکھیر دیتی ہے۔ 1908ء تک یہ سائے بلیک اینڈ وائٹ تھے۔ جب محقق

نے اس علم میں تفکر کیا تو فیتے پر ریکارڈ تصاویر کے رنگین سایوں کو اسکرین پر رنگین ظاہر کرنے کا علم دریافت کرلیا۔

سوال: فہم کی رُو سے آدمی سمیت زمین پر مخلوقات کی حیثیت کیا ہوئی—؟

لاشعور سے روشنی آتی ہے۔ اس کی راہ میں جتنے سیارے یا نظام آتے ہیں، روشنی کائناتی فیتے پر موجود اطلاعات کا عکس (سایہ) ان نظاموں میں بکھیر دیتی ہے۔ سمجھنے کے لئے مضمون میں دی گئی ہرن کی مثال دوبارہ پڑھیے۔

سائے کی حقیقت کیا ہے، میں نہیں جانتی۔ اب تک سائے کو سورج سے منعکس شدہ روشنی میں دیکھا ہے یا بلب کی روشنی میں، براہِ راست نہیں دیکھا لیکن تفکر کے ذوق نے سائے سے انسیت پیدا کی ہے۔ میں سائے کی تلاش میں تھی، جانے بغیر کہ میں خود ایک سایہ ہوں جس کا ریکارڈ لاشعور میں نقش ہے۔ میرا ریکارڈ کسی اور مقام پر حرکت میں ہے اور میں ریکارڈ کے زمین پر ظاہر ہونے کا ایک میڈیم ہوں۔

یہ خیال کہ میں کون ہوں اور سایہ کیا ہے، سائے میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ تقاضا وہاں موجود ہے جہاں سے میرے ہونے کی اطلاعات زمین پر ظاہر ہو رہی ہیں۔ اپنے ہونے کا احساس جب زمین پر میرے سائے میں منتقل ہوتا ہے تو میں ہرن کی طرح متحرک کھلونا بن جاتی ہوں۔

سایوں کی تعداد نے اشارہ کیا کہ آدمی کے لاشمار پرت ہیں۔ ہر پرت اپنے سے پہلے پرت کا سایہ ہے۔ جتنے سائے ہیں، دوسری دنیاؤں میں آدمی کی موجودگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہلکے اور گہرے تمام سائے کسی نہ کسی زمین پر فرد ہیں۔ جو سایہ کائنات کی جس زمین سے مناسبت رکھتا ہے، یہاں پر موجود آدمی شعوری طور پر اس زمین پر متحرک ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ حرکت کے "محرک" سے واقف ہو جائے۔

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارا رب کیسے سائے کو دراز کر دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ضرور ساکن کر دیتا پھر ہم (اللہ) نے سورج کو سائے پر دلیل بنایا ہے۔ پھر ہم اس سائے کو بتدریج اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔"

(الفرقان: ۴۵-۴۶)

# پہلی کلاس

چراغ مٹی کا بنا ہوا دِیا ہے۔ مٹی کے بنے ہوئے دِیے میں زیتون کا تیل ڈالیں اور چراغ کو دیا سلائی سے روشن کر دیں یعنی مٹی کے دِیے میں چراغ روشن کر دیں۔ چراغ کو ایسی اونچی جگہ رکھیں جو آنکھوں کی زد اور سیدھ میں ہو— کھلی آنکھوں سے لَو نظر آئے۔ آلتی پالتی مار کر تقریباً تین فٹ دور بیٹھ جائیے اور آنکھیں چراغ کی لَو پر جما دیجئے۔ کوشش کیجئے کہ پلک نہ جھپکے۔ گردن سیدھی ہو، نظر اور چراغ کی لَو آمنے سامنے ہو۔ چند سیکنڈ کے بعد آنکھوں میں جلن ہو گی اور پھر آنکھوں میں آنسو (پانی) آجائیں گے۔ پروا نہ کیجئے، آنکھیں کھلی رکھئے۔ آنکھوں میں ہلکی جلن محسوس ہو گی اور پلک جھپک جائے گی۔ کوئی بات نہیں، آپ دوبارہ آنکھیں کھول دیجئے اور چراغ کی لَو پر نظر جمائیے۔ آنکھوں میں پانی آنے کی وجہ سے پلک جھپک جائے گی، کوئی بات نہیں۔ تیسری مرتبہ آنکھیں کھول دیجئے۔ جتنا ممکن ہو، قوتِ ارادی سے آنکھیں کھلی رکھئے یعنی پلک نہ جھپکے۔ یہ مشق ہے۔

**قانون** بصارت کا مطلب کسی شے کو دیکھنا ہے یعنی آنکھ شے کو نہیں، شے کے عکس کو دیکھتی ہے۔

مشق کے بعد پلک جھپکنے کے عمل میں وقفہ بڑھ جاتا ہے۔ جتنی دیر اوپر نیچے پلکیں ہمہ گوش یعنی ایک دوسرے میں داخل نہ ہوں، دیکھنے نہ دیکھنے کا عمل سوالیہ نشان ہے۔ یہ مشق پانچ سے سات منٹ کیجئے۔ چند روز میں چراغ کی لَو کا رنگ تبدیل ہو گا۔ مشق جاری رکھئے۔ رنگ غالب ہو جائیں گے۔ خلا نظر آجائے گا— خلا کو مسلسل دیکھنا جاری رہے تو جو نظر آئے، وہ کاپی میں لکھ لیجئے۔

یہ مشق کی پہلی کلاس ہے۔ چراغ مٹی کا ہونا چاہئے۔

حامد ابراہیم

# تین سو سال کی نیند

”میں تو زندہ تھا۔ تم سب کو پکار پکار کر کہتا تھا کہ میں زندہ ہوں، گھبراؤ مت، کنوئیں میں پڑا ہوں، مجھے نکالو لیکن تم سنتے نہ تھے اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی۔“

---

قلندر غوث علی شاہؒ فرماتے ہیں کہ پرانے زمانے میں ایک پیشہ ور بہروپیا نئے نئے بہروپ اختیار کر کے بادشاہ کے پاس جاتا تاکہ بادشاہ اسے پہچان نہ سکے اور وہ بادشاہ سے اپنے ہنر کا انعام وصول کرے لیکن بادشاہ ہر بار پہچان لیتا۔ ناچار جوگی کے پاس گیا، ریاضت سے ”حبسِ دَم“ سیکھا اور جوگی بن کر واپس آیا۔ ایک گنبد تعمیر کیا اور چند چیلے جمع کر کے وہاں بیٹھ گیا۔ چند روز بعد جوگیوں کے طریقے کے مطابق حبسِ دَم کر کے مراقب ہوا اور گنبد کا دروازہ تیغا کروادیا اس خیال سے کہ بادشاہ شہرت سن کر آئے گا، بند دروازہ کھلوائے گا، چیلے میرا سانس بحال کر دیں گے، میں اٹھ کر بیٹھوں گا اور بادشاہ سے انعام وصول کروں گا لیکن — حالات ایسے بدلے کہ نہ وہ شہر رہا نہ وہ سلطنت۔ دو صدیاں گزر گئیں۔ پھر وہاں شہر آباد ہوا۔ لوگوں نے گنبد مسمار کیا تو دیکھا، ایک آدمی صحیح سالم مراقبہ کی حالت میں بیٹھا ہے۔ اتنے میں ایک جوگی وہاں پر آیا تو معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ اس کا مختصر علاج کیا تو بہروپیے کے ہوش و حواس بحال ہوئے۔ فوراً اٹھ کر بولا، لاؤ میرا جوڑا اور گھوڑا۔ لوگ حیران ہوئے۔ معاملہ کھلا کہ فلاں بادشاہ کے زمانے میں یہ بہروپیا تھا۔ اس نے بادشاہ سے کپڑوں کا جوڑا اور ایک گھوڑا بطور انعام وصول کرنے کے لئے یہ حالت اختیار کی۔

(بحوالہ: تذکرۂ غوثیہ)

---

حبسِ دَم طویل وقفے تک سانس روکنے کا فن ہے۔ جوگیوں یا سنیاسیوں نے اس کی دو اقسام وضع کی ہیں — جڑ تاڑی اور چیتن تاڑی۔

① چیتن تاڑی میں سانس روکنے کے عمل کے ساتھ حواس بحال رہتے ہیں اور آدمی اپنے اختیار سے اس کیفیت کو ختم کرتا ہے۔

② جڑ تاڑی میں سانس روکنے کے عمل کے ساتھ ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں اور تھوڑا یا زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد اس فن میں ماہر کوئی اور فرد اسے ہوش میں لاتا ہے۔

قلندر غوث علی شاہؒ نے بچپن میں جڑ تاڑی کپالی کا فن ایک سنیاسی سے سیکھا اور تجربے کے لئے بھائی کو کپالی چڑھائی۔ بھائی بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر گیا۔ وہ ہوش میں لانے کا طریقہ نہیں جانتے تھے۔ گھر والے پریشان ہوئے اور سمجھے کہ لڑکا فوت ہو گیا ہے۔

سنیاسی استاد کو پتہ چلا تو فوراً وہاں پہنچ کر بھائی کے سر پر پانی کی مشکیں چھڑوائیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پوچھنے پر بتایا، میں تو زندہ تھا۔ تم سب کو پکار پکار کر کہتا تھا کہ میں زندہ ہوں، گھبراؤ مت، کنوئیں میں پڑا ہوں، مجھے نکالو لیکن تم سنتے نہ تھے اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی۔

یہ واقعات انوکھے اور حیران کُن لگتے ہیں لیکن قرآن کریم میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے اور اس کی باقاعدہ سائنس ہے۔

● یا اُس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے بَل اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ کیسے اللہ اسے موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا؟ پس اللہ نے اُس پر موت وارد کر دی سو سال کے لئے پھر زندہ اٹھایا۔ پوچھا، کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا، ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ فرمایا، بلکہ تو سو سال تک رہا۔ پس اپنے کھانے اور مشروب کو دیکھ کہ خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھ اور ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں۔ تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب اُس پر واضح ہو چکا تو کہنے لگا کہ میں اب خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

(البقرۃ: ۲۵۹)

سورۂ کہف میں اصحابِ کہف کا واقعہ قابلِ تفکر ہے اور تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

● اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور مزید نو سال زیادہ گزارے۔

(الکھف: ۲۵)

عمارت کا دروازہ تیغا کرنے یا اینٹوں سے چُن دینے کا بنیادی مقصد آکسیجن کے داخلے کو روکنا ہے۔

بیرونی منظر

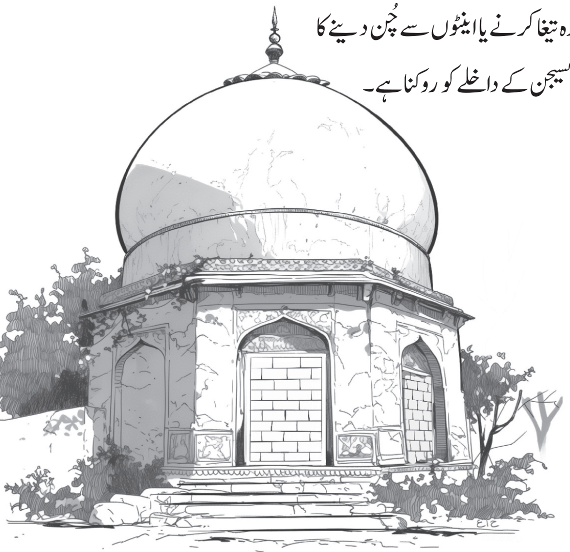

اندرونی منظر

آکسیجن مٹی اور دھات سمیت ہر قسم کے نامیاتی ذرّات سے تعامل (reaction) کرتی ہے جس سے آکسیجن کی مقدار کم اور دیگر گیسوں کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن اور آرگان جیسی گیسوں کی فضا حبسِ دَم میں معاون ہے۔

قرآن کریم سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مثالیں ہر دور میں موجود رہی ہیں اور اس کے پسِ پردہ ایک مکمل نظام ہے جس نے موت وحیات کے توازن کو برقرار رکھا۔

دورِ حاضر میں بھی طویل نیند کے بعد بیداری کے واقعات منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

① امریکی خاتون ایڈورڈا اوبارا کو بچپن سے ذیابیطس کا مرض لاحق تھا۔ 16 سال کی عمر میں نمونیا ہوا اور حالت بگڑتی چلی گئی۔ 3 جنوری 1970ء صبح تین بجے وہ بیدار ہوئی تو جسم پر کپکپی طاری تھی اور تکلیف میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کوما میں چلی گئی۔ کوما میں جانے سے پہلے ماں کو مخاطب کیا اور کہا کہ مجھے اس حالت میں نہ چھوڑ دینا۔ والدین دیکھ بھال کرتے رہے۔ ٹیوب سے مائع غذا فراہم کرتے اور ہر دو گھنٹے بعد کروٹ بدل دیتے۔ چھ سال بعد 1976ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔ 32 سال بعد 2008ء میں والدہ کا انتقال ہوا۔ والدین کے بعد بہن نے دیکھ بھال کی۔ 21 نومبر 2012ء کو 59 سال کی عمر میں ایڈورڈا کوما کی حالت میں اگلی دنیا میں منتقل ہو گئی۔ وہ 42 سال کوما میں رہی۔

② ٹیری والس امریکی شہری تھا۔ 20 سال کی عمر میں گاڑی کے حادثے میں کوما میں چلا گیا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ کوما سے واپس نہیں آئے گا۔ خاندان نے دیکھ بھال کی۔ 19 سال بعد 2003ء میں وہ بیدار ہو گیا۔ بیدار ہوتے ہی سمجھا کہ ایک رات کی نیند سے جاگا ہے اور اس کی عمر 20 سال ہے یعنی سال 1984ء ہے۔ ٹیری والس نے کوما سے جاگنے کے بعد عام لوگوں کی طرح زندگی گزاری اور 2022ء تک زندہ رہا۔ موت کے وقت عمر 57 سال تھی۔

تمام واقعات میں اختیاری یا غیر اختیاری طور پر طاری ہونے والی نیند کی حالت مشترک ہے۔ کوما کی حالت میں اگرچہ مائع غذا دی جاتی ہے لیکن اصحابِ کہف، حضرت عزیرؑ اور ــــ حبسِ دَم کے ماہرینِ فن کی طویل عرصے کی نیند میں ہر قسم کی ٹھوس اور مائع غذا معطل تھی۔ اب ایک شے رہ جاتی ہے اور وہ ہے سانس کی آمد و رفت یعنی روح اور جسم کا رشتہ قائم رکھنے میں بظاہر گیسوں کا عمل دخل باقی رہا۔ سانس کے علاوہ جسم کا بیرونی حصہ، ماحول کی مختلف گیسوں جن کے مجموعے کو ہم عموماً ”ہوا“ کا نام دیتے ہیں، ان کے اندر موجود رہے۔

گیسیں زمین کی سطح سے لے کر اوپر خلا کی جانب تقریباً سو کلو میٹر کی بلندی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ محققین کے مطابق سطحِ زمین سے لے کر 12 کلو میٹر (7.46 میل) کی بلندی تک گیسوں کی باہمی آمیزش یا ہوا کا تناسب اور مقدار ایسی ہے کہ اس میں پودوں اور جانوروں کے سانس لینے اور پودوں کا سورج کی روشنی اور گیسوں کی مدد سے خوراک بنانے کا عمل صحیح طور پر جاری رہ سکتا ہے۔ 12 کلو میٹر سے اوپر ہوا کی مقدار بتدریج کم ہو جاتی ہے اور زیادہ بلندی تک نہ ہونے کے برابر باقی رہ جاتی ہے۔ اس طرح کرہ ہوائی کا دبیز ترین حصہ وہ ہے جو زمین کی سطح سے چپکا ہوا ہے اور 12 کلو میٹر تک بلند ہے۔

زمین اور سمندر کی سطح پر موجود ہر مخلوق ان گیسوں کے نظر نہ آنے والے سیّال کے اندر زندگی گزارتی ہے۔ سوال ہے کہ کیا گیسوں کے مخصوص مجموعے، مقداروں، کثافت، دباؤ اور درجۂ حرارت سے زمین پر موجود کوئی جانور، آدمی، نبات (غلّہ) اور غذا طویل مدت تک گلنے سڑنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں؟

طویل نیند کی حالت میں اجسام کے محفوظ رہنے کی دو بڑی سائنسی توجیہات ہیں۔

① گیسیں زیادہ دباؤ سے کم دباؤ والے علاقوں یا حصوں میں پھیلتی ہیں تو ٹھنڈک پیدا کرتی ہیں۔ زمین پر موجود ہر گیس اس خصوصیت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ریفریجریٹر، فریج یا ایئر کنڈیشنر میں یہی اصول کام کرتا ہے۔ ان میں کاربن کے نامیاتی مرکبات پر مبنی مخصوص گیسیں استعمال کی جاتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انہیں دباؤ کے تحت مائع (liquid) حالت میں لانے کے لئے کم سے کم توانائی درکار ہوتی ہے اور یہ آگ نہیں پکڑتیں۔ خیال رکھا جاتا ہے کہ یہ گیسیں اوپر کے ہوائی کرے میں اوزون کی تہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ فی زمانہ ان میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی گیس ڈائی فلورو میتھین ($CH_2F_2$) ہے۔ اس قسم کی تمام گیسیں استعمال کرنے کی وجہ دراصل تکنیکی آسانی اور سہولت ہے ورنہ ہر گیس زیادہ دباؤ سے کم دباؤ کی حالت میں آنے کے لئے ماحول کی حرارت کو جذب کرنے کے اوصاف رکھتی ہے۔

فریج یا فریزر کے پیچھے ایک بند ڈبّے جیسا حصہ کمپریسر کہلاتا ہے۔ اس میں گیس انتہائی دباؤ کے تحت مائع حالت میں موجود ہوتی ہے

اور بلند درجہ حرارت رکھتی ہے۔ یہ کمپریسر کے ذریعے باریک نالیوں میں سفر کرتی ہے۔ حرارت کی قابلِ ذکر مقدار نالیوں سے فضا میں خارج ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ مائع گیس غذا والے حصے کی دیواروں میں نالیوں کے نیٹ ورک کے اندر زیادہ دباؤ کے نتیجے میں مائع سے گیسی حالت اختیار کر کے پھیلتی ہے۔ پھیلاؤ کے دوران اس کے سالمات (مالیکیولز) کے درمیان خلا پیدا ہوتا ہے جو فریج یا فریزر میں موجود حرارت کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ یوں فریج میں درجۂ حرارت بہت کم ہو جاتا ہے — ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔ گیس دوبارہ کمپریسر میں دباؤ کے تحت مائع میں تبدیل ہوتی ہے اور یہ چکر خود کو مسلسل دہراتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ عام ماحول میں اگر گیسیں اس طرح سکڑنے اور اچانک پھیلنے کے عمل سے ٹھنڈک پیدا نہ کریں تو کیا کسی اور طریقے سے اجسام کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھ سکتی ہیں؟ ایسا طریقہ موجود ہے اور وسیع پیمانے پر استعمال ہوتا ہے۔ وہ طریقہ کیا ہے—؟

مضمون کے اگلے حصے میں آئندہ ماہ پڑھئے۔

---

اگر شے کی حرکت کو اس کی موجودہ حرکت سے سو گنا کم کر دیا جائے تو اس حرکت کی نسبت سے ٹائم گزرنے کی رفتار سو گنا کم ہو جائے گی۔ مثلاً ہم ایک منٹ میں 18 مرتبہ سانس لیتے ہیں۔ ایک منٹ میں ایک سانس لیا جائے تو 18 سانس لینے کے لئے 18 منٹ درکار ہوں گے لہٰذا ایک منٹ میں 18 مرتبہ سانس لینے کا وقت 18 گنا کم ہو جائے گا۔ حضرت عزیرؑ نے ایک سو سال میں اندازاً اتنے سانس لئے جتنے ایک دن میں لئے جاتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کتنا عرصہ سوئے تو انہوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے کم۔

مثال: ایک دن میں 24 گھنٹے ہوتے ہیں۔ 24 گھنٹوں میں ایک آدمی 24 ہزار نو سو 20 سانسیں لیتا ہے۔ اس حساب سے اس نے سو سال سونے میں تقریباً نو ارب سانس لئے یعنی — ٹائم کی رفتار نو ارب گنا زیادہ ہو گئی۔

اس طرح کھانے کے مالیکیولز کی حرکت بھی اتنی کم ہو گئی کہ وقت ٹھہر گیا اور کھانا خراب نہیں ہوا۔

رہا گدھے کا معاملہ تو اس کے لئے وقت ایسے ہی گزرا جیسے اور چیزوں کے لئے گزرتا ہے اور وہ سو سال میں مر کھپ کر ہڈیوں کا ڈھانچا رہ گیا۔

(کتاب: خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ۔ جلد سوم)

# دو دماغ

علم و جہل، آرام و تکلیف، آزادی و پابندی اور صحت و بیماری وغیرہ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آدمی کون سا دماغ استعمال کرتا ہے۔ آدم کی اولاد میں زندگی گزارنے کے یہ دونوں رخ موجود ہیں۔ ہر شخص روزانہ ان دو رخوں میں ردّوبدل ہوتا ہے۔ ایک رخ کا تجربہ دن کے وقت بیداری میں اور دوسرے رخ کا تجربہ رات کے وقت خواب میں ہوتا ہے۔ ان کو شعوری اور لاشعوری حواس کہا جاتا ہے۔

روحانی علوم کے مطابق شعوری حواس یعنی حواسِ خمسہ والا دماغ آدمی کو مادی دنیا میں قید رکھتا ہے اور لاشعوری حواس کا دماغ لامحدود غیب کی دنیا سے متعارف کراتا ہے۔

ماہرین کے مطابق دماغ کے دونوں حصے یعنی دایاں اور بایاں دماغ مختلف قسم کے حواس بناتے ہیں۔ دائیں دماغ کا تعلق لاشعوری حواس سے ہے اور بائیں دماغ کا تعلق شعوری حواس سے ہے۔ دایاں دماغ وجدانی دماغ ہے اور بایاں دماغ منطقی اور تنقیدی دماغ ہے۔ دائیں دماغ میں لامحدود علوم ہیں اور بائیں دماغ میں محدود علوم کا ذخیرہ ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ذہین ترین آدمی اپنی پوری زندگی میں پانچ سے 10 فی صد دماغ کا استعمال کرتا ہے اور 90 فی صد دماغ استعمال کئے بغیر مرجاتا ہے۔

آئن اسٹائن جسے دنیا جینئس مانتی ہے، اس کا دماغ امریکا کی لیبارٹری میں محفوظ ہے۔ بڑے بڑے محققین نے اس پر اس غرض سے تحقیق کی ہے کہ کسی طرح جان لیں کہ آئن اسٹائن کی دماغی ساخت میں ایسی کون سی صلاحیت تھی جس نے اسے جینئس بنا دیا۔ ابھی تک انہیں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے عام اور جینئس آدمی کے دماغ میں امتیاز معلوم ہو۔

محققین کا خیال ہے کہ آئن اسٹائن کے دماغ میں Data Processing یعنی نتائج مرتب کرنے کی صلاحیت عام لوگوں سے زیادہ تھی جب کہ دماغی ساخت میں کوئی فرق نہیں تھا۔

جن نظریات کی وجہ سے آئن اسٹائن کو اس صدی کا عظیم اور جینئس سائنس دان کہا جاتا

ہے، ان کے بارے میں اس نے خود کہا تھا کہ تھیوریز اس نے خود نہیں سوچیں بلکہ وہ اس پر الہام ہوئی تھیں۔ یاد رہے کہ یہ وہی آئن اسٹائن تھا جو اسکول میں نالائق ترین طالب علم شمار کیا جاتا تھا۔ فکر طلب یہ ہے کہ ایک نالائق طالب علم جینئس کیسے بن گیا؟

---

دنیا بھر میں Sleep Laboratories میں ہونے والی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جینئس اور عام آدمی جب سوتا ہے تو اس کا دماغ Data Processing کا کام شروع کر دیتا ہے۔ بیداری کے وقت انسانی دماغ میں چلنے والی برقی رَو ایک مخصوص حد تک کام کرتی ہے تو شعور ٹھیک کام کرتا ہے۔ اگر ان لہروں میں اضافہ ہو جائے تو آدمی پریشانی اور بے سکونی کا شکار ہو جاتا ہے اور دماغی صلاحیتوں کے استعمال میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ان لہروں کی مزید زیادتی جسم کے مدافعتی نظام کو سخت متاثر کرتی ہے اور آدمی پر بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

فی زمانہ زیادہ تر لوگ بائیں دماغ کے زیرِ تسلط ہیں۔ یہ وہی دماغ ہے جس میں نسیان کا عمل دخل ہے یعنی کائناتی علوم کی بے خبری سے آدمی مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ دن کے وقت اس کا دماغ بے دریغ استعمال ہوتا ہے اور وجدانی دماغ استعمال نہیں ہوتا لہٰذا وہ کائنات کے حقیقی علم سے بے بہرہ رہتا ہے۔ بھول چوک والا دماغ دن بھر کام کر کے تھک جاتا ہے تو بے سدھ و بے خبر ہو کر ایسا سوتا ہے کہ وجدانی دماغ کی کارگزاریوں کی خبر نہیں ہوتی۔

آسان علاج یہ ہے کہ آدمی وجدانی دماغ (خواب کے حواس) سے رابطہ قائم کرے اور شعوری دماغ میں اتنی سکت پیدا کرے کہ وہ لاشعوری اور وجدانی دماغ کی کارگزاریوں سے واقف ہوتا رہے۔ اس صورت میں دماغ آدھے یونٹ کے طور پر نہیں بلکہ پورے یونٹ کے طور پر کام کرے گا۔ معاملات میں غلطی، پریشانی، تکلیف اور بیماریوں کے امکانات حیرت انگیز طور پر کم ہو جائیں گے۔

ترقی یافتہ ممالک میں صلاحیتوں سے بہتر سے بہتر کام لینے پر جتنی تحقیق اور اختراعات ہو رہی ہیں، سب کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کسی طرح دائیں اور بائیں دماغ کو مکمل یونٹ کے طور پر استعمال کرنا سیکھ لے تاکہ اندر میں مخفی علوم اور صلاحیتوں سے واقف ہو جائے۔

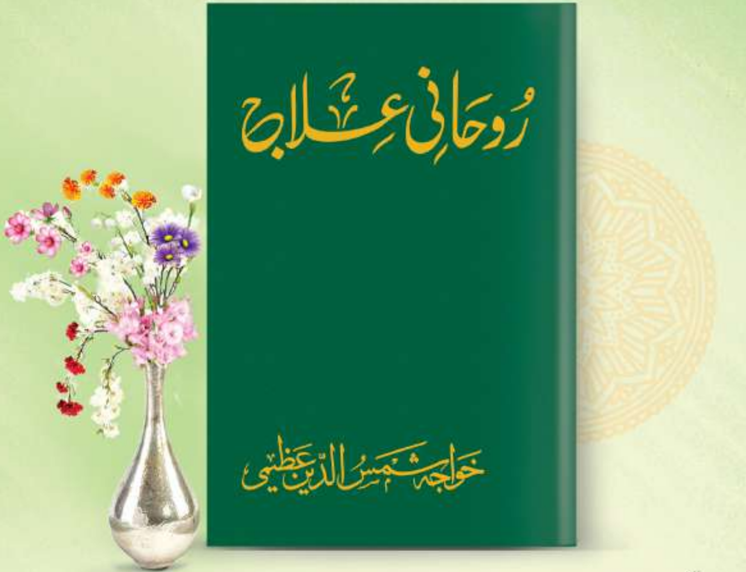


السلام علیکم و رحمۃ اللہ،

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بوسیلہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم سب پر نازل ہوں اور ہمیں جسمانی اور روحانی سکون حاصل ہو، آمین۔

شک اور بے یقینی کے طوفان سے پیدا ہونے والی تقریباً دوسو بیماریوں اور مسائل کو یکجا کر کے کتاب "روحانی علاج" میں ان کا حل شائع کیا گیا ہے۔ کتاب "روحانی علاج" کی مقبولیت کے پیشِ نظر قارئین کے تعاون سے ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" نے اس کتاب کو گھر گھر پہنچانے کا پروگرام بنایا ہے۔

**جو خواتین و حضرات راہِ للہ کے اس پروگرام میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ادارے سے رابطہ کریں۔**

ملنے کا پتہ : عظیمی یونیورسٹی پریس® سرجانی ٹاؤن، کراچی

+92 307111 5224

info@azeemiuniversitypress.com

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

# عظیمیہ روحانی لائبریری جنڈ، اٹک

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات کے لئے
عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب روزانہ | حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

عرفانہ شہزاد

# ماں اور بیٹا

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک صبح مسجد نبویؐ میں حاضر تھی کہ خیال آیا، جنت البقیع کے قریبی صحن میں جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے، وہاں کسی کے کام آسکوں۔

سر زمینِ حجاز پہ بیت اللہ شریف وقار اور جلال کے میکانزم پر قائم ہے۔ والہانہ شکر کہ رحمٰن و رحیم اللہ نے ایک بار پھر برکت والے گھر کی زیارت سے نوازا۔ حسنِ کعبہ کی تاب نہ لاتے ہوئے نگاہیں چنداں وخیرہ ہوگئیں۔

اے عظمت والے گھر کے رب!

اپنا عرفان عطا فرما۔

اشکوں کے ہدیے جمالِ الٰہی کی نذر۔

زلیخا نے مصر کی خواتین کو دیدارِ یوسفؑ کے لئے مدعو کیا تو یقین تھا کہ حسنِ یوسفؑ دیکھتے ہی سب خواتین اس کی طرح صاحبِ عشق ہو جائیں گی۔ سوچتی ہوں کہ جس نے یوسفؑ کو تخلیق کیا، اس کے اپنے حسن کا کیا عالم ہوگا!

اے حواس سے ماوراہستی! محبت سے موجزن دل آپ کے حضور سجدے میں ہے۔ معرفت سے نواز کر محبت کو قبولیت عطا فرما۔

اشک بہے تو کوہِ گراں* سے گزر گئے۔

محبت دیکھتی ہے کہ طلب میں خلوص ہے یا کھوٹ۔ خلوص یہ ہے کہ اللہ کو دنیاوی اغراض کے لئے نہ چاہو۔ اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہم و گمان سے زیادہ رزق کا انتظام کیا ہے۔ اللہ کو اللہ کے لئے چاہو—اللہ سے اللہ کو مانگو۔

میں نے کعبہ سے سرگوشی کی، اے بابرکت گھر! ہم دونوں میں ایک قدرِ مشترک ہے۔ تمہیں اللہ نے اپنا گھر قرار دیا ہے اور میرے دل میں بھی اللہ بستا ہے۔ میری تمہاری دوستی پرانی ہے۔ میں اظہارِ حال کرنا چاہتی ہوں۔

* کوہِ گراں (مضمون میں اسے "میں" کی تمثیل میں استعمال کیا گیا ہے۔)

میرے وصل میں ہجر کی چبھن ہے۔
قرار میں بے قراری ہے۔
زائرین تمہیں دیکھ کر بے قرار ہو جاتے ہیں۔
کیا تم بھی عشق میں بے قرار ہو؟
کعبہ نے جو کہا، دل نے محفوظ کر لیا۔
رسمِ دوستی ہے کہ راز کو افشا نہ کیا جائے۔

ایک بار استادِ محترم سالکین کی بڑی جماعت کے ہمراہ عمرے کی ادائیگی کے لئے مسجد الحرام میں حاضر تھے۔ سب سے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر کی زیارت کی سعادت بخشی ہے، شکر ادا کریں اور قلب کو ذکر میں مشغول کر دیں۔"

حرمِ پاک کے چپّے چپّے سے محبت کی لہریں پھوٹتی ہیں۔ ذہنی ربط اس گھر سے قائم ہوتا ہے تو مالکِ ارض و سما کی رحمت سے طرزِ فکر رحمانی ہو جاتی ہے۔ طواف کے دوران محسوس ہوتا ہے کہ ہم پروانے ہیں جو منبعِ انوار و تجلّیات پر نثار ہونا چاہتے ہیں اور دیوانہ وار پکارتے ہیں،

لبیك اللھم لبیك

حاضر ہوں، یا اللہ! میں حاضر ہوں۔

خانہ کعبہ آئینہ ہے۔ وہاں جا کر آدمی تکرار کے ساتھ جس کی طلب کرتا ہے، وہی اس کا محبوب ہے۔ زیارت کے لئے سب جاتے ہیں اور جانا چاہتے ہیں۔ جو نہیں جا سکے، دعا ہے کہ انہیں حاضری نصیب ہو، آمین۔

واقعہ پڑھا تھا کہ ایک صاحب کی باطنی نگاہ روشن ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ حرمِ پاک میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی کا ظہور ہے۔ جو شخص اللہ سے دوستی کا طالب ہے — اس کو امان ہے۔ دوسری طرف ابلیس موقع کی تلاش میں ہے۔ جو شخص دنیاوی خواہشات اور منفی شے کا طلب گار ہے، اسے دیکھ کر ابلیس خوشی سے کہتا ہے کہ اس نے میری طلب کی ہے۔

ایک عزیز کو بیٹے سے بہت محبت تھی۔ وہ کہتے تھے کہ میں اپنا بت توڑ کر بیت اللہ شریف جاؤں گا۔ شب کے آخری حصے میں جاگ کر دعائیں کرتے کہ یا اللہ! جب میں تنہا ہوتا ہوں تو بیٹے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔ آپ نے اسے سب کچھ عطا کیا ہے۔ یا اللہ! میرے دل میں اپنی محبت کو ہر محبت پر مقدم رکھ تا کہ میں بندگی کے حصار میں آ جاؤں — دعا قبول ہوئی۔

ان صاحب نے خواب دیکھا کہ دریا کنارے ایک بت ہے۔ انہوں نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگاتے ہوئے اسے ہتھوڑے سے توڑ دیا اور اپنا رخ دریا کی جانب موڑ لیا۔

خواب خوشی کی نوید تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کی قید سے آزاد ہونے کے بعد میں نے جانا کہ دنیا کا سب سے حسین رشتہ اللہ کی بندگی ہے۔

ایک بہن کہتی ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس مقامات کی زیارت کے موقع پر لوگ شکرانے کے نوافل ادا کرتے تھے۔ میں نے بھی توبہ اور شکر کا ورد کیا کہ اللہ نے مجھ جیسی خطاکار کو بلا لیا ہے۔ ایک ہی دعا کرتی تھی کہ یا اللہ! میں آپ کی بندی ہوں اور آپ کی طرف لوٹنا چاہتی ہوں۔

عمرے کی ادائیگی میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک صبح مسجد نبویؐ میں حاضر تھی کہ خیال آیا، جنت البقیع کے قریبی صحن میں جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے میں وہاں کسی کے کام آسکوں۔

وہاں گئی اور چشمِ تصور سے اس دور کو یاد کیا جب ان مقدس ہستیوں نے ترویجِ دین کے لئے ایثار اور قربانی کی تاریخ رقم کی۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے کچھ دیر ہوئی تھی کہ کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مڑ کر دیکھا تو کوئی خاتون تھیں۔ انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا، آج ہماری مکہ مکرمہ روانگی ہے۔ مجھے عمرے کی ادائیگی کا طریقہ بتا سکتی ہیں؟

میں نے کہا، جی ضرور۔ کیوں نہیں۔

ان کو سمجھاتے ہوئے ایسا لگا کہ میں حرمِ کعبہ میں حاضر ہو گئی ہوں ۔ اس کے بعد چار چار، پانچ پانچ خواتین کی ٹولیاں آتیں اور عمرے کا طریقہ دریافت کرتیں۔ میں نماز کے اوقات میں مسجد آتی اور پھر واپس چلی جاتی۔ یہ سلسلہ شام تک جاری رہا۔ خواتین کو سمجھاتے ہوئے دل چاہتا تھا کہ ان میں محبتِ الٰہی کی شمع روشن کر دوں۔ اس دوران میں دیگر ممالک کی بہنوں سے بھی تعارف ہوا۔

ایک بار عمرے کے لئے جاتے ہوئے فلائٹ پہ میرے برابر میں ضعیف شخص بیٹھے تھے۔ انہوں نے احرام کی چادر کے ایک حصے سے سر

ڈھانپ لیا۔ میں نے دریافت کیا، بابا جی! کیا آپ نے احرام باندھنے کی نیت کرلی ہے؟

انہوں نے کہا، جی بیٹی۔

میں نے کہا، عمرے کی ادائیگی سے قبل چہرہ ڈھانپنا ممنوع ہے۔ وہ عمرے کی ادائیگی کے طریقے سے واقف نہیں تھے۔ عربی میں تلبیہ یاد نہیں تھی۔ اس بات پر چہرہ بجھا ہوا تھا۔ بس یہ کہتے کہ شکر ہے، "سوہنے" نے بلالیا۔

طواف کرنے کا طریقہ سمجھاتے ہوئے بتایا کہ بابا جی! آپ کسی بھی زبان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرسکتے ہیں۔ یہ سن کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پریشانی دور ہوئی اور آنکھوں میں زندگی دوڑ گئی۔ راہ نما کی بات یاد آئی۔

"علم حیات اور لاعلمی موت ہے۔"

حج و عمرہ کے لئے احرام باندھنے سے لے کر حلق کروانا — نظم و ضبط کا مظہر ہے۔ فرد نظم و ضبط کی جیتی جاگتی تصویر ہوتا ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے روضہ مبارک پر حاضری کے وقت ہر چہرہ شاداں و فرحاں، اللہ کے محبوبؐ سے راز و نیاز میں مصروف ہوتا ہے۔ عاجزانہ چال، دھیمی آواز اور لب پہ درود و سلام — دل میں سکون کی لہریں داخل ہو جاتی ہیں۔

الحمدللہ — اس بار بیٹا ہمراہ تھا۔ وہ سوال پوچھتا تھا، مطمئن کرنا میری ذمہ داری تھی۔ بیٹے نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے کہا، ایسا لگتا ہے، بارہا یہاں آیا ہوں۔ ہر مقام سے مانوس ہوں۔

روضۂ رسولؐ پر وہ پورا دن گنبدِ خضرا کو تکتا۔ بیٹے کو زائرین کو آبِ زم زم پلانے کی ڈیوٹی مل گئی۔ اس نے بتایا کہ یہاں آکر حواس کی رفتار تیز ہوگئی ہے، لوگوں کے خیالات منتقل ہوتے ہیں، میں کسی کے اندر نہیں جھانکتا، از خود پتہ چلتا ہے کہ کوئی کیا چاہتا ہے اور میں حسبِ توفیق خدمت کرتا ہوں۔

یہ سب استادِ محترم کی شفقت اور تربیت کا نتیجہ تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

عمرے کے دوران بہت سے لمحات ایسے آئے جب وقت کی شعوری تقسیم سمٹ گئی اور ہم ماں بیٹے نے شعور کے تینوں یونٹ ماضی، حال اور مستقبل کو یکجا محسوس کیا۔

منیزہ اظہر

# خاتون ریاضی دان

ستیتہ المحاملی قوانینِ وراثت کے ساتھ ساتھ ریاضی والجبرا میں ماہر تھیں۔ انہوں نے مساوات کے جو حل پیش کئے، انہیں بعد کے ریاضی دانوں نے نقل کیا۔

---

زمین نے ہر عہد کو پہچان دی اور ہر دور کو دامن میں چھپایا ہے۔ یہ تہذیبوں کے عروج و زوال، فرد کے انفرادی اوصاف اور اقوام کی اجتماعی خصوصیات کی گواہ ہے۔ ان میں ایسے بہت سے نام ہیں جو زمین کا جھومر بنے لیکن تاریخ کے اوراق میں گم ہیں۔ جب تیز ہوا چلتی ہے اور زمانے کی فضا بدلتی ہے تو اوراق پر پڑی ہوئی گرد اڑتی ہے اور دنیا کو معلوم ہوتا ہے کہ زمین (مٹی) سے کیسے کیسے نگینے اٹھے جن کی چمک نے ہر دور میں ذہنوں کو ضیا اور صلاحیتوں کو جِلا بخشی۔ اگرچہ وہ اب مٹی میں مدفون ہیں لیکن علمی ورثہ تسلسل سے ایک دور سے گزر کر دوسرے دور کو جگا رہا ہے اور علمی میراث کی خبر دے رہا ہے۔

بغداد کی عالمہ، فاضلہ، محقق، علم الفرائض کی ماہر اور ریاضی دان ستیتہ بنت المحاملی کا شمار ہر دور کے لئے قابلِ مثال لوگوں میں ہے۔

"ستیتہ المحاملی چوتھی صدی ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق محاملی خاندان سے تھا جن کی علمی فضیلت کا ہر خاص و عام میں چرچا تھا۔"

محاملی خاندان نے علم کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ ستیتہ کے دادا اسماعیل ضبی، والد قاضی ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل محاملی ضبی، چچا اور خاندان کے دوسرے افراد کا شمار بغداد کی علمی شخصیات میں تھا۔ والد ابوعبداللہ قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے اور بحیثیت قاضی 60سال فرائض انجام دیے۔

14 جلدوں پر مشتمل کتاب "تاریخِ مدینۃ العلم" (تاریخِ بغداد) کے مصنف اور مؤرخ

احمد بن علی جو علامہ خطیب بغدادی کے نام سے معروف ہیں، نے لکھا ہے،

"ابو عبداللہ نیک اور دین دار تھا۔ وہ 60 سال تک کوفہ کا قاضی تھا۔"

علمی خاندان کی چشم و چراغ ستیتہ المحاملی بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینی اور عصری علوم کی ماہر بنیں۔ پہلے قرآن کریم حفظ کیا پھر حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے پہلے استاد والد تھے جو مشہور محدث، فقیہہ اور قاضی تھے۔ اس دور کے قابلِ ذکر اساتذہ سے بھی علوم سیکھے۔ بی بی ستیتہ قرأت، تفہیم و تفسیر، حدیث و فقہ، عربی صَرف و نحو کے ساتھ ادب اور ریاضی میں بھی ماہر تھیں۔ اس سے ان کے علمی اوصاف، ذہانت، مزاج میں نفاست اور سنجیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔

ستیتہ المحاملی الجبرا میں ماہر تھیں۔ انہوں نے مساوات کے جو حل پیش کئے، انہیں بعد کے ریاضی دانوں نے نقل کیا۔ اگرچہ ان مساوات کی تعداد کم تھی لیکن ثابت ہوتا ہے کہ ریاضی میں مہارت حساب تک محدود نہ تھی بلکہ اس سے بڑھ کر تھی۔ علمِ ریاضی اور علم الفرائض (وراثت) میں ان کا نام معتبر تھا۔ یہ اُس دور میں جدید ریاضی کے عملی شعبے تھے۔

علمِ وراثت جسے علم الفرائض بھی کہا جاتا ہے، اسلامی شریعت کی بنیاد پر فرد کی موت کے بعد اس کی دولت اور املاک (ترکہ) وغیرہ کی ورثا میں تقسیم کے طریقے بیان کرتا ہے۔ میراث کی ادائیگی حقوق العباد سے متعلق ہے اور یہ حساس معاملہ ہے۔

علمِ وراثت کا مقصد جاننا ہے کہ فرد کے انتقال کے بعد اس کا وارث کون ہوگا اور ہر وارث کو جائیداد میں کتنا حصہ ملے گا۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں وراثت کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر سورۃ النسآء میں وراثت کی تقسیم کی تفصیل ہے۔

---

آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں وراثت سے متعلق ارشاد ہے،

- اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ میت کی وارث دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اُس کا ہے۔

● میت صاحبِ اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہئے اور اگر وہ صاحبِ اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی۔ یہ سب حصے اُس وقت نکالے جائیں گے جب وصیت جو میت نے کی ہو، پوری کر دی جائے اور جو قرض اُس پر ہو، ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظِ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں اور بے شک اللہ سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔

● اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو، اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں۔۔۔ ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکے کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے جب کہ وصیت جو انہوں (بیویوں) نے کی ہو، پوری کر دی جائے اور قرض جو اُنہوں نے چھوڑا ہو، ادا کر دیا جائے۔

● اور وہ (بیویاں) ترکے میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو۔۔۔ ورنہ صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا، بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو، وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو، ادا کر دیا جائے۔

● اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے)، بے اولاد بھی ہو اور اُس کے ماں باپ زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کُل ترکے کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے جب کہ وصیت جو کی گئی ہو، وہ پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو، ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ نقصان دہ نہ ہو۔

● یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ دانا و بینا اور نرم خُو ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اُن باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حد سے تجاوز کرے گا، اللہ اسے آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کُن سزا ہے۔

میراث کے معاملے کو گہرائی میں سمجھنے کے لئے دیگر بہت سے معاملات کی بصیرت اور علم ضروری ہے تاکہ قانونی اور ریاضیاتی پیچیدگی کو انصاف کے ساتھ حل کیا جائے۔

ستیتہ المحاملی نے قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ کیا تھا، شرعی قوانین کا علم تھا، قانونِ وراثت (علم الفرائض) پر دسترس تھی۔ والد قاضی تھے، ان کی معاونت حاصل تھی۔ ریاضی میں مہارت ایسی کہ وراثت کی تقسیم کے حوالے سے ریاضی کے پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے بعض اوقات بغداد کے قاضی ان سے مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

اپنے دور کے علاوہ بعد کے ادوار میں بڑے بڑے علما اور مؤرخین نے ستیتہ المحاملی کی فراست اور صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔ علامہ خطیب بغدادی نے تاریخِ بغداد کے حوالے سے اپنی کتاب میں جو عربی زبان میں ہے، ستیتہ المحاملی کی تحریریں نقل کی ہیں اور انہیں فقیہا، حافظِ قرآن اور فقہ کی ماہر قرار دیا ہے۔

ابنِ کثیر نے لکھا ہے،

”وہ قرآن، فقہ، فرائض، حساب، عربی زبان اور نحو میں خوب مہارت رکھتی تھیں۔ اپنے زمانے کی بڑی فقیہا تھیں۔ شیخ ابو علی بن ابوہریرہ کے ساتھ فتویٰ دیتی تھیں۔ اخلاق اعلیٰ تھا اور کارِ خیر میں حصہ لیتی تھیں۔“

چودھویں صدی کے محدث اور مؤرخ امام شمس الدین ذہبی نے کتاب ”سیر اعلام النبلاء“ میں ستیتہ المحاملی کا تذکرہ کیا ہے اور انہیں علم میں فائق اور مفتی کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

ستیتہ المحاملی کا کردار ان کی مضبوط شخصیت، بردباری، اعلیٰ اوصاف اور تحقیق و تلاش کے ذوق کو ظاہر کرتا ہے۔ بین الاقوامی شہرت کے حامل مصنف اور پروفیسر سلیم الحسنی کا تعلق بغداد (عراق) سے ہے۔ وہ برطانیہ میں ”فاؤنڈیشن فار سائنس، ٹیکنالوجی اینڈ سویلائزیشن“ کے اعزازی سربراہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں،

”ستیتہ المحاملی کو بغداد میں ریاضی کے مسائل حل کرنے کے لئے عدالتوں میں گواہ کے طور پر بلایا جاتا تھا۔ وہ ریاضی کے مسائل میں اتنی ماہر تھیں کہ ان کے مشورے کو بغداد کے قاضیوں نے قبول کیا۔۔۔ اُس دور میں ریاضی صرف سائنسی اور تعلیمی نہیں بلکہ معاشرتی مسائل کو حل کرنے کے لئے بھی

استعمال ہوتی تھی اور ستیتہ المحاملی اس حوالے سے ایک مستند نام تھا۔“

یہ سائنس و ٹیکنالوجی اور دوسرے علوم میں خواتین کے علمی ارتقا کا دور ہے جس کے شواہد ہمارے سامنے ہیں۔ ماضی بعید کی خواتین نے کن شعبوں کو بامِ عروج پر پہنچایا، اس بارے میں تفصیلات محفوظ نہیں رکھی گئیں۔ جن کے نام محفوظ رہے، ان کے بارے میں دستیاب مواد کم ہے لیکن جو تفصیلات موجود ہیں، ان سے ثابت ہے کہ خواتین نے جس شعبے میں قدم رکھا، اپنی ذہانت کا سکّہ جمایا۔

زمین کی تاریخ بتاتی ہے کہ میراث صرف مال و جائیداد اور مادی اشیا کی ایک فرد سے دیگر افراد کو منتقلی تک محدود نہیں۔ بابا آدمؑ کا اصل ورثہ وہ علم اور صلاحیتیں ہیں جو فی الارضِ خلیفۃ کی حیثیت سے نوعِ آدم کو عطا ہوئیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے تحقیق و تلاش اور تفکر کیا، قدرت نے ان کی مدد کی اور ظاہری و باطنی علوم کے راستے کھول دیئے۔

**محترم خواتین!**

اس مضمون کو غور سے پڑھیں اور اس کی فوٹو اسٹیٹ کروا کر گھر گھر تقسیم کریں۔

دوسری بات: خواتین کو چاہئے کہ شرعی مسائل جو خواتین کی زندگی سے متعلق ہیں، ان کا مطالعہ ضرور کریں ۔۔۔ ان میں ایک معاملہ نکاح کا ہے۔

نکاح کے وقت افراتفری کا عالم دیکھنے میں آیا ہے۔ دلہن کے پاس جب سرپرست نکاح نامے پر دستخط کے لئے گواہوں کے ساتھ جاتا ہے تو وہاں رونے دھونے کا عجیب منظر دیکھنے میں آیا ہے — ضروری ہے کہ نکاح نامے پر جو کچھ لکھا ہے، اس کو غور سے پڑھیں، اس کے بعد دستخط برضا و رغبت کئے جاتے ہیں۔ بہت زیادہ افراتفری اور رونے کی وجہ سے نکاح نامے کی تحریر زیادہ نہیں پڑھی جاتی۔ دلہا اور دلہن دونوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے حقوق کے بارے میں جاننے کے لئے نکاح نامے پر تحریر حقوق کو غور سے پڑھیں۔ (ادارہ)

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

# عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور ــــ روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات وطلبہ کے لئے عظیمی صاحب کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

بلال حسن

# زندگی — تصویر ہے

جب تک ذرّات میں آواز کی مخصوص فریکوئنسی دَور کرتی ہے، مٹی اس کے مطابق شکل اختیار کرتی ہے۔ آواز کی فریکوئنسی کے جسم میں سے گزرتے ہی ذرّات اپنی حالت پر واپس آجاتے ہیں۔

---

تصور کیجئے کہ آپ حسین جھیل کے کنارے بیٹھے ہیں جس کی لہروں میں سکوت نے ذہن کو جھیل کے سوا ہر خیال سے خالی کر دیا ہے۔ یکایک اندر میں تحریک* ابھرتی ہے، خاموشی میں شور برپا کر کے جسم میں پھیلتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کیفیت کو جھیل کے پانی میں دیکھو۔

آپ زمین پر پڑا ہوا پتھر جھیل میں پھینکتے ہیں، پانی میں لہریں ظاہر ہوتی ہیں جو ہر دوسری لہر کے لئے دباؤ پیدا کر کے جھیل کے کناروں تک پہنچتی ہیں۔ یہ ذہن کی قوت سے پیدا ہونے والا ارتعاش ہے جو پتھر کے ذریعے پانی میں منتقل ہوا۔ جھیل میں دائرے بنے یعنی پانی میں مخفی تصاویر سطح پر ظاہر ہوئیں۔ پتھر پانی کے اندر جانے سے مزید کیا ہوا، صفحہ 50 پر پڑھئے۔

تیسری مثال: رات کا وقت ہے۔ کمرے کی فضا خاموش ہے۔ زید کے ہاتھ میں رباب ہے جس کے تاروں میں ارتعاش (vibration) سے دُھن ظاہر ہوتی ہے اور جذبات کی ترجمانی کر کے دماغ میں تصویریں بناتی ہے۔

اندر میں تحریک ابھرنا، جھیل کے پانی میں لہروں کا ظاہر ہونا، ہر لہر کا دوسری لہر سے ربط میں رہنا، ربط سے جھیل کی سطح پر پانی میں چھپی دنیا کا مظاہرہ اور رباب کے تاروں سے اندر میں خلش کا کسی روپ میں نمایاں ہونا آواز اور تصویر میں تعلق کی مثالیں ہیں۔

آواز اندر ہو یا باہر، تحریک پیدا کرتی ہے جس سے لہروں کی چھوٹی بڑی مقداریں یکجا ہوتی ہیں اور قدرت کے پروگرام کے مطابق اشکال اختیار

---

* تحریک سے مراد حرکت کا چھوٹی بڑی لہروں میں تقسیم ہو کر مختلف شکلوں میں ظاہر ہونا ہے۔

کرتی ہیں۔ ہر فرد ذہنی صلاحیت کی مناسبت سے ان اشکال کو دیکھتا ہے۔

ہمارے اندر لہروں کو محسوس کرنے اور ان کو بصری روپ میں دیکھنے کی صلاحیت ہے مگر لہروں کا علم نہ ہونے کی وجہ سے محدود پیمانے پر کام کرتی ہے۔ آواز کی لہروں کو محسوس کرنے سے نگاہ خالی نظر آنے والی فضا کو رنگ رنگ مخلوقات سے آباد دیکھتی ہے اور ان سے گزر کر دوسری دنیاؤں میں داخل ہوسکتی ہے۔

کائنات کُ + ن = کُن کی آواز ہے۔ آواز ارتعاش ہے اور ارتعاش لہروں کی چھوٹی بڑی مقدار ہے۔ ان مقداروں سے لاشمار زمینیں اور نوعیں ظاہر ہوئی ہیں۔ ہر نوع تصویر ہے، تصویر آواز کی گونج سے بنی ہے اور سکت سے زیادہ آواز سننے پر بکھر جاتی ہے۔ قدرت نے آواز میں لہروں کی اسپیس کو تقسیم کرنے اور جوڑنے کی قوت رکھی ہے۔

پروڈیوسر فلم بناتا ہے۔ فلم ہزاروں تصاویر کا مجموعہ ہے۔ روشنی کی لہریں معین نظام کے تحت تصویروں کو اسکرین تک لے جاتی ہیں۔

ہم اسکرین پر فلم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں لوگوں کو چلتا پھرتا اور بات کرتا دیکھ رہے ہیں۔ ہم گہرائی میں کبھی نہیں سوچتے کہ فلم اسکرپٹ رائٹر کے ذہن کی آواز ہے جس کا مظاہرہ تصویر کی شکل میں ہوا۔

آپ نے کلادنی پلیٹ (Chladni Plate) کے بارے میں سنا ہے—؟

یہ آواز اور تصویر کے تعلق کو ظاہر کرنے کا ایک تجربہ ہے۔ دھات سے بنی یہ پلیٹ صوتی لہروں کی ساخت اور اثرات کو سمجھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ تجربہ 18ویں صدی کے جرمن طبیعیات دان اور موسیقار ارنسٹ کلادنی نے پیش کیا۔ ریت یا پاؤڈر کو دھاتی پلیٹ پر پھیلایا جاتا ہے پھر آواز کی مدد سے ارتعاش پیدا کیا جاتا ہے جس سے ریت میں مختلف نمونے بنتے ہیں۔ ارتعاش گزرنے کے بعد ذرّات اپنی حالت میں واپس آجاتے ہیں۔

یہ صورت مٹی اور تخلیقات کی ہے۔ جب تک مٹی کے ذرّات میں آواز کی مخصوص فریکوئنسی دَور کرتی ہے، مٹی اس کے مطابق شکل اختیار کرتی ہے۔ آواز کی فریکوئنسی کے جسم میں سے

گزرتے ہی ذرّات اپنی حالت پر واپس آجاتے ہیں۔ قارئین! آپ کیا سمجھے ؟

مادہ اور توانائی سمیت کائنات کی ہر چیز ایک خاص فریکوئنسی یا آواز رکھتی ہے۔ کائنات کی حقیقت اس طرح کی ایک دوسرے سے مربوط فریکوئنسیوں* میں چھپی ہوئی ہے۔

آواز کائنات کے تمام اجزا کی بنیاد ہے اور سب میں موجود ہے۔ آواز کی لہروں میں عدم توازن سے شے کی ساخت متاثر ہوتی ہے۔

ایک آدمی پریشان اور سکون سے دور ہے۔ وہ اونچی آواز میں بات کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کے ماحول میں اونچی آواز میں بات کی جاتی ہے۔ چوں کہ سماعت حواس کی ابتدا اور اساس ہے اس لئے آواز کا نظام متاثر ہو کر دیگر حواس پر اثرانداز ہوتا ہے اور ایسے شخص کا سننا، دیکھنا اور سمجھنا سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

باطنی علوم کے ماہرین آدمی کو آوازوں کے انتشار سے نکالنے کے لئے طرزِ فکر میں الوژن کی نشاندہی کرتے ہیں اور فرد کی صوتی فریکوئنسی کو اصل حالت پر لانے کے لئے اللہ کی نشانیوں میں تفکر اور ذکر کی طرف راغب کرتے ہیں۔

ذکر اور تفکر سے سکون کی طرزیں پیدا ہوتی ہیں اور لہروں میں انتشار ختم ہو جاتا ہے۔

① مزاج میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔

② آواز دھیمی ہو جاتی ہے۔

③ ہیجان سے دور رہتا ہے۔

④ چہرے پر مقناطیسی ہالہ بن جاتا ہے۔

دونوں حالتوں میں چہرے کی ساخت آواز میں بے اعتدالی یا اعتدال کا مظاہرہ ہے۔

مضمون میں آواز کی اہمیت کے ساتھ اس میں پنہاں تصویر کی طرف اشارہ ہے کہ آواز کا مظاہرہ تصویر کی شکل میں ہوتا ہے۔ اطلاع کیا ہے—؟ آواز ہے۔ آواز آتی ہے تو دماغ میں تصویر بنتی ہے۔ تصویر نہ بنے تو مفہوم آواز (اطلاع) کے لفافے میں بند رہتا ہے۔

محترم عظیمی صاحب نے آواز کے تصویر میں ظاہر ہونے کے مراحل بیان کئے ہیں اور انہیں واہمہ، خیال، تصور اور مظاہرے کا نام دیا ہے۔

ان مراحل کو مثال سے سمجھئے۔

پانی پینے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے جسے پیاس کہتے

---

* فریکوئنسیوں (چھوٹی بڑی مقداریں یعنی لہریں)

ہیں۔ پیاس کا تقاضا، پیاس کی آواز ہے۔ ابتدا میں پیاس کا ہلکا خاکہ بنتا ہے۔ مادی ذہن اسے محسوس نہیں کرتا۔ تقاضے میں گہرائی سے دماغ کی اسکرین پر پانی کی تصویر ابھرتی ہے۔ تصور گہرا ہوتے ہی تصویر میں نمی کا احساس پیدا ہوتا ہے— ہم لاشعوری طور پر پانی کے ذائقے کو محسوس کرتے ہیں پھر پانی پیتے ہیں۔ پانی پہلے دماغ میں بننے والی تصویر نے پیا ہے یعنی تصویر دراصل اندرونی تصویر کی نقل ہے۔

لبِ لباب یہ ہے کہ کائنات کی ابتدا آواز سے ہوئی ہے اور مظاہرہ تصویر کی صورت میں ہے۔ خالقِ کائنات اللہ کا ارشاد ہے،

"اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا، وہ ہو جاتی ہے۔"

(یٰسٓ : ۸۲)

موجودات کی صورتوں کی تخلیق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

"وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے رحموں میں جیسی چاہتا ہے، تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس زبردست حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔" (اٰلِ عمرٰن : ۶)

## پتھر کی اسپیس

ہر دس ہزار سال کے بعد زمین پر خشکی اور پانی کی بیلٹ میں ردّوبدل ہے۔ خشکی کی جگہ پانی اور پانی کی جگہ خشکی آجاتی ہے۔

جب ہم پانی میں پتھر پھینکتے ہیں تو ایسا کر کے طویل عرصے کے لئے پتھر کی اسپیس کو تبدیل کر دیتے ہیں— سمندر میں پھینکا ہے تو اسپیس دس ہزار سال ہو سکتی ہے۔ دریا یا جھیل میں پھینکا ہے تو جب تک جھیل اور دریا خشک نہیں ہوتے، پتھر پانی میں رہتا ہے۔

پتھر پہلے خشکی پر تھا، اب پانی میں ہے۔ پتھر سے جڑی ہوئی زندگی کا وقت خشکی پر پورا ہوا، اب اس کے وسائل کا انتظام پانی میں ہوگا اور اسی لحاظ سے پانی اور خشکی کے ماحولیاتی نظام میں تبدیلی واقع ہوگی۔ جب شے کی اسپیس تبدیل ہوتی ہے تو محض اسپیس تبدیل نہیں ہوتی، اس سے منسلک نظام ساتھ میں منتقل ہوتا ہے۔ آپ نے پتھر پانی میں پھینکا—اب پتھر کی زندگی پانی میں بسر ہوگی۔

قانون: پتھر کو کسی جگہ سے اٹھانا اور دوسری جگہ پھینکنا— یہ سب آواز کی اسپیس ہے۔

قرۃ العین واسطی

# میرا محافظ اللہ ہے

عمر کا آخری دور آیا تو ایک مرید نے شکستہ لہجے میں عرض کیا، آپ داغِ مفارقت دے گئے تو لاہور ویران ہو جائے گا۔

---

تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسینؑ سے ملتا ہے۔ والد کا نام سید علی محمودؒ اور دادا کا نام سید ابو جعفر برقعیؒ تھا۔ خاندان نے ہجرت کر کے عراق میں سکونت اختیار کی۔ بعد ازاں سید ابو جعفر برقعیؒ زنجان (ایران) میں آباد ہو گئے جہاں 26 شعبان 347ھ کو سید میراں حسینؒ کی پیدائش ہوئی۔ والد کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی تھا۔ وہ باطنی علوم کو بھی وقت دیتے تھے۔ بیٹے کے لئے زنجان میں تعلیم کا انتظام کیا۔

ایک روز سید حسین زنجانیؒ نے والد سے عرض کیا، میں نے قرآن کریم اور علمِ حدیث پڑھا اور ذہن میں محفوظ کیا ہے مگر محسوس ہوتا ہے کہ معانی سے آشنا نہیں ہوں۔

والد نے حیرت سے کہا، تم تو عربی داں ہو پھر معانی کیوں سمجھ میں نہیں آتے؟

انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو مگر میں نے اب تک وہ نماز نہیں پڑھی جسے حقیقی معنوں میں نماز کہہ سکوں۔

وہ بیٹے کی بات سمجھ گئے اور مسکرائے۔

فرمایا، اللہ تعالیٰ کو قلب و دماغ کی مرکزیت بنالو، حضوری حاصل ہو جائے گی، نماز میں لطف آئے گا اور معانی روشن ہوں گے۔

انہوں نے کوشش کی لیکن یکسوئی نہ ہوئی۔

والد سے کہا، ایسے راہ نما کی تلاش ہے جو مجھے صبر اور صلوٰۃ کا مفہوم سمجھا دے۔

بیٹے کے ذوقِ طلب کا اندازہ کرتے ہوئے فرمایا، فرزند! راہ نما گھر بیٹھے نہیں ملتا۔ یہ دشوار راستہ ہے۔ بعض لوگ اس راستے کے پیچ و خم

میں گم ہوگئے۔ تم بھی قسمت آزماؤ اور دینے والے کی عطا پر نظر رکھو۔

والد سے اجازت لے کر مرشد کی تلاش میں نکلے اور کٹھن حالات سے گزرے۔ ایک جگہ کسی نے کہا کہ ولیِ کامل بعض اوقات اس حالت میں ملتے ہیں کہ اہلِ دنیا انہیں عام آدمی سمجھتے ہیں۔ وہ سرِ عام علم کی نمائش نہیں کرتے البتہ سرتاپا عمل ہوتے ہیں۔ تم شام چلے جاؤ، وہاں حضرت ابوالفضل ختلیؒ رہتے ہیں۔

شام پہنچے اور حضرت ابوالفضل ختلیؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ درس میں شیخ ختلیؒ نے ایک نظر نوجوان کو دیکھا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

درس تھا کہ حکمت کا سمندر۔

ایک مقام پر شیخ نے حاضرین سے پوچھا، کیا لوگ مسلمان ہونے کو اتنا آسان سمجھتے ہیں؟

سید حسین زنجانیؒ فرماتے ہیں کہ محسوس ہوا جیسے شیخ مجھ سے مخاطب ہیں اور ان پر میری کیفیت عیاں ہوگئی ہے۔

شیخ ابوالفضلؒ نے فرمایا، کیا تم نے وہ آیت نہیں پڑھی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ سے فرمایا تھا کہ ”تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جب میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لئے خوف اور رنج نہیں ہے۔“

سید حسین زنجانیؒ پر درس کا بہت اثر ہوا۔ وہ باقاعدگی سے شریک ہونے لگے۔

ایک روز درس کے بعد حاضرین اٹھ کر چلے گئے لیکن سید زنجانیؒ خلافِ معمول بیٹھے رہے۔

شیخ ابوالفضلؒ نے ایک نوجوان کو بیٹھے دیکھا تو قریب بلا کر فرمایا، درس ختم ہو چکا ہے، تم کس کے انتظار میں بیٹھے ہو؟

باادب عرض کیا، شیخ کی توجہ چاہتا ہوں۔

فرمایا، وہ میزبان ہی کیا جو مہمان کو نظر انداز کر دے۔ ہماری توجہ ہر شریکِ مجلس پر ہے۔

عرض کیا، خصوصی توجہ کا مستحق ہوں۔

شیخ ابوالفضلؒ نے نرمی سے پوچھا، تم نے خود کو خصوصی توجہ کا مستحق کیسے سمجھ لیا؟

عرض کیا، آستانے پر حاضرین میں سب سے نادار میں ہوں۔ چاہیں تو دامنِ مراد بھر دیں یا نظرِ کرم روک لیں۔

شیخ کو نوجوان کا اندازِ ادب پسند آیا۔

فرمایا، آتے رہا کرو۔

ایک دن درس کے بعد مخاطب کیا،

نوجوان! تم ٹھہر جاؤ۔

طالبِ مراد دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

فرمایا، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟

عرض کیا، زنجان سے آیا ہوں اور آپ کے دامن سے وابستہ ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت شیخ ابوالفضلؒ نے دستِ شفقت رکھا پھر سوز کے عالم میں فرمایا،

"معرفت میں یقین اور اس پر استقامت سب کچھ ہے۔ تم ہمارے ہو اور انشاء اللہ! ہمارے رہو گے۔ ایسا نہیں ہے کہ اکیلے تم مضطرب تھے اور ہمیں ڈھونڈتے رہے، ہم بھی انتظار میں تھے کہ آنے والا کب آتا ہے اور کب ہم امانت اس کے سپرد کرتے ہیں۔"

بیعت کے بعد حضرت حسین زنجانیؒ نے دن رات مرشد کی خدمت کی۔ سفر و حضر میں ساتھ رہتے۔ شوق و جذبہ توجہ میں اضافے کا سبب بنا۔ مجاہدے کا عرصہ سالوں پر محیط ہے۔ زبان پر ہر وقت "اللہ" کا ورد رہتا تھا۔

روحانی تربیت مکمل ہوئی تو شیخ ابوالفضل ختلیؒ نے ایک تقریب میں خرقۂ خلافت عطا کیا اور "میراں" کا خطاب دیا۔

چند روز بعد شیخ ابوالفضلؒ نے تبلیغ کے لئے ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ حضرت میراں حسین زنجانیؒ دو بھائیوں اور چند رفقا کے ہمراہ لاہور (پاکستان) تشریف لے آئے۔

حضرت حسین زنجانیؒ کو تین سال تک سخت مزاحمت کا سامنا رہا یہاں تک کہ ساتھی مایوس ہونے لگے اور کہا کہ مزید قیام لاحاصل ہے۔

حضرت زنجانیؒ نے فرمایا،

"یقین ہے کہ ایک روز اللہ ہماری کوشش کو قبولیت کا شرف بخشے گا۔"

اس رات پیر و مرشد کو خواب میں دیکھا۔

شیخ ابوالفضلؒ نے فرمایا، تمہاری استقامت پسند آئی ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟

عرض کیا، مجھ سے کیا کوتاہی ہو رہی ہے کہ لوگ بات سننا گوارا نہیں کرتے۔

شیخ نے محبت سے فرمایا،

”کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اللہ کے یہاں ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ صبر کی آزمائش تھی، تم پورے اترے۔ اب تبلیغ کے لئے گلی کوچوں میں نکلو اور انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔“

چند روز گزرے تھے کہ ایک واقعہ سے ہلچل مچ گئی۔ لاہور کا ایک آسودہ حال راجپوت بیمار پڑ گیا۔ مرض کی تشخیص ہوئی لیکن علاج سے افاقہ نہیں ہوا۔ طبیبوں نے دبے دبے لفظوں میں کہہ دیا کہ مریض چند روز کا مہمان ہے۔

ایک عزیز نے کہا، شہر میں ایک درویش ہیں، ان کے پاس جانے میں حرج نہیں۔

ماں باپ جوان اولاد کو لے کر پہنچے۔

حضرت حسین زنجانیؒ نے پریشان حال ماں باپ سے فرمایا، فقیر کے پاس کیا مانگنے آئے ہو؟ سننے والا ایک ہے اور تم سینکڑوں کو پکارتے ہو۔ دینے والا تو کوئی اور ہے۔ اس کے اختیار میں سب کی زندگی ہے۔

آپ نے پانی پر سورۂ فاتحہ دم کر کے لڑکے کی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، بیٹے کو پانی پلا دو۔ کائنات کا مالک (اللہ) ایک ہے۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ (اللہ) شفا عطا کرتا ہے۔

پانی آبِ حیات ثابت ہوا۔ مریض خود چل کر خانقاہ میں حاضر ہوا۔ خبر پھیلتے ہی مریضوں کا تانتا بندھ گیا جب کہ مخالفین میں سراسیمگی پھیل گئی اور سازشوں نے زور پکڑا۔

روایت ہے کہ ایک رات چار نوجوان خانقاہ میں داخل ہوئے اور حضرت زنجانیؒ کے کمرے تک پہنچ گئے۔ ذکر کا وقت تھا۔ شیخ اسم ”اللہ“ کا ورد کر رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ ورد کرتے اور پھر ضرب لگاتے تھے۔ جیسے ہی حملے کے لئے ہاتھ بلند ہوا، شیخ نے ضرب لگائی۔ چاروں حملہ آوروں کی بینائی چلی گئی۔ وہ گھبرا گئے لیکن پکڑے جانے کے خوف کی وجہ سے خاموش رہے۔ ارادہ بدلا تو بینائی لوٹ آئی۔ انہوں نے دوبارہ تلواریں سونت لیں۔ قریب پہنچنے پر پھر وہی حالت ہو گئی۔ فوراً توبہ کی۔ خیال تھا کہ توبہ کرتے ہی بینائی لوٹ آئے گی لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا۔ وہ رونے لگے۔

شور سن کر شیخ مصلّے سے اُٹھے اور سمجھ گئے کہ یہ کون ہیں اور ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

حملہ آوروں نے التجا کی، بینائی لوٹا دیں، وعدہ کرتے ہیں ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔

حضرت زنجانیؒ نے فرمایا، میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ نہ میں کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کسی سے کچھ چھین سکتا ہوں۔ پھر بھی دونوں جہان کے مالک سے تمہاری آنکھوں کی روشنی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ بینائی لوٹتے ہی نوجوانوں نے معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا،

”تم نے سمجھا کہ عقیدت مندوں کے آرام کا وقت ہے تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ لوگ میرے محافظ نہیں ہیں، میرا محافظ اللہ ہے جس نے تمہیں اندھا کیا اور بینائی لوٹائی۔“

خانقاہ سے فاصلے پر کسان رہتا تھا جو دمہ کے مرض میں مبتلا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ کسی نے کہا، پڑوس میں طبیب ہے مگر تم غافل ہو۔ بیماری کی تکلیف خانقاہ تک لے گئی۔

کہاوت ہے کہ ”دمہ، دم کے ساتھ۔“

حضرت زنجانیؒ نے دم کیا، مرض ختم ہوا۔ کسان عقیدت مند ہوگیا۔ خدمت کے طور پر اناج اور سبزیاں خانقاہ میں آنے والوں کے لئے بھیجتا تھا تاکہ جو آئے، لنگر کھا کر جائے۔

ایک رئیس رام چندر جذام (کوڑھ) میں مبتلا تھا۔ زخموں سے اٹھنے والے تعفن کی وجہ سے بیوی بچوں نے اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ ہاتھ پیروں کی انگلیاں گلنا شروع ہوگئی تھیں۔ ملازم قریب آنے سے ہچکچاتے تھے۔

کسی نے درویش کے بارے میں بتایا۔ رئیس اپنے عقیدے کا پکّا تھا لیکن بیماری کے ہاتھوں بے بس ہوگیا۔ پالکی میں سوار ہو کر خانقاہ پہنچا اور پیغام بھجوایا کہ اندر آنے کے لائق نہیں ہوں۔ باہر آکر ایک نظر دیکھ لیجئے۔

حضرت حسین زنجانیؒ نے فرمایا، اس سے کہو کہ بے جھجک آجائے۔ یہاں سب برابر ہیں۔

رام چندر کی آنکھیں برسنے لگیں۔ عرض کیا، مجھے بھی محبت کی بھیک دیجئے۔ اس حالت میں تو بیوی بچوں تک نے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت حسین زنجانیؒ نے پانی دم کرکے دیا کہ غسل کے وقت پانی میں چند قطرے ملالے۔ سوزش ختم ہوئی اور چند روز میں مرض رفع ہوا اور نشانات غائب ہوگئے۔ رئیس عقیدت مند ہوگیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ شہر کا رئیس بیوی بچوں اور ملازمین کے ہمراہ حضرت حسین زنجانیؒ کی خانقاہ کی طرف جا رہا ہے۔ ملازموں

کے سروں پر خوان در خوان تھے۔ رام چندر اور بیوی بچے بگّھیوں میں سوار تھے۔ خانقاہ پہنچ کر خوان پوش ہٹائے گئے تو سونے چاندی کے سکّے بھرے ہوئے تھے۔

حضرت زنجانیؒ نے لینے سے معذرت کی اور فرمایا، فقیر بدل کے عوض خدمت نہیں کرتا۔

اس نے اصرار کیا تو فرمایا کہ محتاجوں میں تقسیم کردو اور سمجھ لو کہ نذر قبول ہوئی۔

رام چندر شدتِ جذبات سے بولا، کیا آپ مجھے بھی قبول نہیں فرمائیں گے؟

فرمایا، تم چاہو تو ایسا ہو سکتا ہے۔

حضرت زنجانیؒ نے اس کا نام عبد اللہ رکھا۔

وہ آخر تک آپ کے ساتھ رہا۔

حضرت میراں زنجانیؒ نے 44 سال لاہور میں قیام فرمایا۔ عمر کا آخری دور آیا تو ایک مرید نے شکستہ لہجے میں عرض کیا، آپ داغِ مفارقت دے گئے تو لاہور ویران ہو جائے گا۔

فرمایا، منزلِ فراق سے سب کو گزرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو لاہور ویران نہیں ہو گا۔

حضرت میراں حسین زنجانیؒ فرماتے ہیں،

زبان بے کار باتوں کے لئے اس وقت آمادہ ہوتی ہے جب قوتِ عمل اور اطاعت کا جذبہ کمزور ہو جائے۔ عشقِ الٰہی بے کار باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ عشق کی فطرت تسلیم و رضا ہے۔

19 شعبان 431ھ کو دنیا سے پردہ فرمایا۔

شیخ ابو الفضل ختلیؒ کے مریدوں میں ایک اور بڑا نام سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کا ہے۔ تربیت کے بعد انہیں بھی لاہور جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا کہ وہاں میرے پیر بھائی حسین زنجانیؒ ہیں۔ مرشد نے فرمایا، اللہ کے راز اللہ جانتا ہے۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی ہجویریؒ لاہور میں داخل ہوئے تو لوگوں کے جمِ غفیر میں باغِ زنجان کی طرف ایک جنازہ لے جایا جارہا تھا۔ بتایا گیا کہ سید میراں حسین زنجانیؒ کا جنازہ ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کو پیر و مرشد کے حکم میں مصلحت سمجھ میں آئی اور فرمایا، حضرت حسین زنجانیؒ سے مجھے خاص نسبت ہے۔ یہ میرے مرشد کی نشانی ہیں۔

زاہدہ تبسم

# نغمہ گو پرندے

ماہرین کہتے ہیں کہ آسٹریلیا کا نایاب پرندہ Regent Honeyeater محبت کا گیت گاتا ہے لیکن اب وہ اسے بھول رہا ہے۔ وہ یہ گیت گھر بنانے اور بچوں کی پرورش کرتے ہوئے گاتا ہے۔

---

موہٹہ (مہتا) پیلیس کراچی کا ایک تاریخی ورثہ ہے۔ یہ محل 1927ء میں اس وقت کے معروف تاجر شیورتن مہتا نے تعمیر کروایا تھا۔ تعلق راجستھان سے تھا۔ کراچی میں کاروبار کرتے تھے اور گرمیوں میں اس محل میں قیام ہوتا تھا کیوں کہ اُس زمانے میں کراچی کا موسم نہایت موزوں اور معتدل تھا۔

لگ بھگ 80ء اور 90ء کی دہائی تک کراچی کی صبحیں سہانی، خوش گوار اور صحت افزا تھیں۔ شہر میں آم، بادام، بیری اور پیپل کے درختوں کی کثرت تھی۔ ایسے گھر کم تھے جہاں درخت نہ ہوں، آنگن میں سبزیاں اُگائی جاتی تھیں۔ لیاری اور ملیر ندی کے قریب کھیت اور باغات تھے، میٹھے پانی کی قلّت نہیں تھی۔ سرسبز و شاداب ماحول میں نایاب پرندوں کی آوازیں گونجتی تھیں۔ معصوم پرندوں کے میٹھے نغمے روزمرہ زندگی کا حصہ تھے پھر بے ہنگم تعمیرات کی وجہ سے یہ خوب صورت رنگین مکین اپنے گھر "درختوں" سے محروم ہوگئے۔ سرمایہ کاری کے بدلے پھول دار، پھل دار، سایہ دار اور گھنے درختوں کی قربانی دی گئی۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

شہر کراچی کا فضائی منظر اس شہر کو کنکریٹ کا جنگل دکھاتا ہے۔ یہاں کی مسحور کن صبحیں اور طیور کے نغموں سے بھرپور شامیں ماضی میں گم ہوگئی ہیں۔ صاف، ٹھنڈی اور خوش بودار ہوا قصۂ پارینہ بن گئی ہے۔ چڑیوں کے گیت، کویل کے نغمے، مہاجر پرندوں کی میٹھی بولیاں اب شہر کے مضافات یا آلودہ فضا سے دور پارکوں میں سنائی دیتی ہیں (اور نہیں بھی سنائی دیتیں)،

شہر کو آفات اور بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے درخت نہ ہونے پر نوحہ کناں ہیں۔

خالقِ کائنات اللہ کی ہر تخلیق شاہکار ہے۔ اللہ کی صنّاعی میں کوئی شے نامکمل نہیں ہے۔ فطرت کی خوب صورتی کا ایک رنگ آواز میں چھپا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر کسی دُھن کی صورت میں بر آمد ہونے والی آواز ساز کی ہو، بلندی سے گرتے ہوئے جھرنے کی ہو، بارش کے قطروں کی ہو یا پرندوں کے گیت ہوں، وقتی طور پر استغراق کے عالم میں لے جاتی ہے۔

صبح کا حسن پرندوں کی حمد و ثنا کے بغیر ادھورا ہے۔ طلوعِ آفتاب کے وقت پرندوں کی آواز کے ردہم سے مانوس ہونے کی کوشش کریں تو لطیف تجربات ہوتے ہیں۔ گھر کے قریب ایسی جگہ ہو جہاں صبح سویرے پرندوں کے ساز چاروں طرف بکھر جائیں اور دن کے اختتام پر مسحور کن آوازیں سننے کو ملیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ خوش قسمت ہیں کیوں کہ شہری زندگی اور درختوں کی کمی نے آدمی کو اس نعمت سے تقریباً محروم کر دیا ہے۔

سر سبز ماحول میں پرندوں کی آمد ورفت رہتی ہے۔ پھول دار اور پھل دار درختوں کی آبادی میں چہچہاتے ہوئے رنگین پرندے کثرت سے نظر آتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ پرندے نغمے کیوں گاتے ہیں۔

ماہرینِ حیاتیات (Biologists) کے مطابق پرندے عام طور پر دوسرے پرندوں سے ابلاغ، ساتھیوں سے رابطہ یا خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے مخصوص آوازیں نکالتے ہیں۔ گھر کی حفاظت، مادہ پرندوں کو الفت کا پیغام بھیجنے اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے مخصوص آوازیں نکالتے ہیں۔

پرندوں کے گیت مکمل موسیقی ہیں جن میں مخصوص دھنیں، سُر، تال، گہرائی اور اتار چڑھاؤ واضح ہے۔ بعض پرندوں میں سُر بدلنے کی بھی صلاحیت ہے۔ پرندے فطرت کی پابندی کرتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ علمِ موسیقی کے ماہرین گانے والے پرندوں کی آواز میں لَے، سُر اور تال میں ترتیب پر دھیان دیں تو تعجب نہیں کہ دنیائے موسیقی میں حیران کن انکشافات ہوں اور موسیقاروں کے سُر فطرت میں دَور کرنے والی لہروں سے ہم آہنگ ہو جائیں۔

ماہرینِ حیوانات کہتے ہیں،

- Brown Thrasher نامی پرندہ دو ہزار اقسام کے نغمے گانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- Sedge Warbler کے نغمے پیچیدہ اور طویل ہوتے ہیں۔ یہ دوسرے پرندوں کی نقل بھی کرتا ہے۔
- شمالی امریکا کا Mockingbird پرندوں اور حشرات کی آوازیں نکالتا ہے۔
- طوطے، پہاڑی کوّے، بربطی مور اور مینا انسانی آوازوں اور گیت کو نقل کر لیتے ہیں۔ ان میں بربطی مور (Lyrebird) غیر معمولی پرندہ ہے۔ یہ ماحول میں موجود کسی بھی آواز کو دہرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- آسٹریلیا کا Chestnut-crowned Babbler نامی پرندہ مختلف آوازیں نکال سکتا ہے اور ان آوازوں کو ملا کر پیغامات دوسرے پرندوں کو منتقل کرتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آوازیں ایک خاص ترتیب میں ہوتی ہیں۔

ماحولیاتی تبدیلی، جنگلات کی کٹائی اور ہریالی کی کمی پرندوں کی تعداد میں کمی کا باعث ہے۔ آبادی اور نسل کم ہونے سے ان کے گیت گانے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً ماہرین کہتے ہیں کہ آسٹریلیا کا نایاب پرندہ Regent Honeyeater محبت کا گیت گاتا ہے لیکن اب وہ اسے بھول رہا ہے۔ وہ یہ گیت گھر بنانے اور بچوں کی پرورش کرتے ہوئے گاتا ہے۔

رجحان عام ہے کہ پرندوں کی خوب صورتی اور آوازوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان کو قید کر دیا جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ پرندوں کو اپنے آس پاس دیکھنے اور آزاد فضا مہیا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ درخت لگائیں۔ یہ پنجروں کی جگہ درختوں پر خوش رہتے ہیں۔ قید اندر میں خوشی کو ماند کر دیتی ہے اور آواز میں اداس لہریں غالب آجاتی ہیں۔ شاخوں پر بیٹھے اور پنجرے میں قید پرندوں کی آواز کا موازنہ کرنے سے احساس ہو گا کہ قید ظلم ہے۔

سریلی آوازیں طبیعت پر خوش گوار اثرات مرتب کرتی ہیں۔ فطرت کی قربت ذہنی اور جسمانی صحت دونوں کے لئے مفید ہے۔ فطرت میں سادگی اور معصومیت ہے جب کہ آدمی کے اندر لالچ ہے اس لئے وہ ناخوش ہے۔

کیلی فورنیا پولی ٹیکنیک اسٹیٹ یونیورسٹی کی ٹیم نے پارکوں میں لوگوں اور ہائیکنگ کرنے والے خواتین و حضرات کو پرندوں کی ریکارڈ شدہ

آوازیں سنائیں۔ سننے والوں نے بتایا کہ ان کا ذہن ہلکا ہوا، یکسوئی پیدا ہوئی، اضطراب اور ذہنی تناؤ میں کمی آئی اور نیند گہری آئی۔ جن افراد نے براہِ راست فطرت اور پرندوں کے درمیان وقت گزارا، ان کی کیفیات زیادہ اچھی اور نتیجہ خیز تھیں۔

پرندوں کا تعلق حیوانات کے گروہِ فقاریہ* سے ہے۔ عام فقاریوں (بشمول آدمی) میں بولنے کا عمل سانس کے نظام سے منسلک ہے۔ گفتگو کے دوران ہم مسلسل سانس خارج کرتے ہیں مگر سانس اندر لیتے ہوئے بول نہیں سکتے۔ بات کرتے ہوئے منہ سے الفاظ کے ساتھ ہوا باہر آتی ہے، بولنے کے دوران ہوا اندر نہیں جاتی۔ کچھ لوگ ایک سانس میں بڑا جملہ بولتے ہیں تو سانس پھول جاتا ہے۔

سانس کی نالی کو نرخرا یا Trachea کہتے ہیں۔ بولنے کے دوران اس میں کھچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ Larynx یعنی وائس باکس گلے میں واقع ہے، اس میں نرخرے کے دونوں طرف لیس دار جھلّی کی پرتیں یا نطقی عصبہ (Vocal cords) ہے جو نرخرے کے دونوں طرف ہے۔ ہوا ان پرتوں کے درمیان سے گزرتی ہے تو ان میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ یہ عمل آواز کی پچ، اتار چڑھاؤ اور گونج وغیرہ کو کنٹرول کرتا ہے۔ حلق، زبان، دانت، ہونٹ اور ناک کے خالی حصے لیرنکس سے پیدا ہونے والے ارتعاش کو خاص تلفظ اور الفاظ میں ڈھالتے ہیں۔

لیرنکس کے متبادل پرندوں میں بولنے کا عضو Syrinx کہلاتا ہے جو کرکری ہڈی*، پٹھوں اور جھلّیوں پر مشتمل ہے۔ اس کی مدد سے پرندے بولتے اور گاتے ہیں۔ اس پورے عمل کو دماغ کا مخصوص نیٹ ورک کنٹرول کرتا ہے۔ پرندوں کے مضبوط پھیپھڑے اور نظامِ تنفس اہم ہیں۔

گیت گانے والے پرندے سائرنکس کے دونوں حصوں کو الگ الگ اس طرح کنٹرول

---

* گروہِ فقاریہ (Vertebrates) ریڑھ کی ہڈی والے حیوانات۔

* کرکری ہڈی (cartilage) جسم کے جوڑوں میں ہڈیوں کے درمیان نرم، چکنی اور لچک دار ہڈی کو کہتے ہیں۔ یہ ہڈیوں کے ملنے والے مقام (جوڑ) پر ہڈیوں کی سطح کو چکنا رکھتی ہے جس سے ہڈیوں کو حرکت اور موڑنے کے دوران تکلیف نہیں ہوتی اور ہم آسانی سے اٹھ بیٹھ سکتے ہیں۔

کرتے ہیں کہ گیت میں دو مختلف آوازیں ایک ساتھ سنائی دیتی ہیں۔

مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ سریلے پرندوں کے سائرنکس کی ساخت دیگر پرندوں سے منفرد ہے۔ان میں مختلف دھنیں بنانے کی صلاحیت ہے۔ کچھ پرندے جیسے طوطے اور بربطی مور ان کی مدد سے آوازوں کی نقل کرتے ہیں۔

بعض پرندوں کی آواز سادہ ہے جیسے بطخیں کم پیچیدہ آوازیں پیدا کرنے والے پرندوں میں شامل ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ ان کے voice boxسادہ ہوتے ہیں۔

اہم بات: کیا پرندوں میں سریلے نغمے گانے کا تعلق سائرنکس کی انفرادیت، نظامِ تنفس کی مخصوص ساخت اور صلاحیت سے ہے؟

آواز، تصویر، آدمی اور ہر شے لہروں سے بنی ہے۔لہریں افرادِ کائنات اور عالمین میں رابطے کا ذریعہ ہیں۔ ہر نوع اور نوع کا ہر فرد شعوری صلاحیت کے مطابق لہروں میں پیغامات سے واقف ہوتا ہے۔ہمارے لئے پرندوں کے نغمے محض ”چہچہاہٹ“ ہیں لیکن پرندوں کی دنیا میں

**بربطی مور**

دُم بربط (ساز) سے مشابہت رکھتی ہے اس لئے نام بربطی مور ہے۔ آسٹریلیا کے جنگلات میں رہتا ہے۔ اوسط عمر 30 سال ہے۔ نر رقص کرتا ہے اور مادہ کے لئے گاتا ہے۔

یہ ایک مکمل گفتگو ہے۔ لہروں کے علم سے لاعلمی کی وجہ سے ان کی آواز میں مخفی مفہوم تک ہماری رسائی نہیں لیکن پرندے ہماری گفتگو اور خاموشی تک کو سمجھ لیتے ہیں۔

ہوتا یہ ہے کہ آواز لہروں میں تبدیل ہو کر تصویر بنتی ہے۔جب تک تصویر ذہن کی اسکرین پر رہتی ہے، اس کی لہریں ہمارے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہیں اور ماحول میں موجود لوگ بشمول دوسری نوعیں، ان لہروں میں پیغام کو محسوس کر لیتی ہیں۔ فکر طلب ہے کہ آدمی کے ذہن میں اس قسم کی تصویریں بنتی ہیں کہ پرندے آدمی سے دور بھاگتے ہیں جب کہ پاکیزہ نفس افراد سے مانوس ہو جاتے ہیں۔

پرندوں کے خوب صورت، سادہ اور پیچیدہ نغمے، مختصر اور طویل گیت، تیز آوازیں اور دھیمے سُر سب اللہ کی قدرت کا اظہار ہے۔

# لطیف انوار

شعور میں دو قسم کے نقوش ہوتے ہیں۔ ایک نقش میں لطیف انوار کا ذخیرہ ہوتا ہے اور دوسری قسم کے نقش میں خود غرضی، تنگ نظری اور کثیف جذبات کا ذخیرہ رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو معین مقداروں سے تخلیق کیا ہے۔ معین مقداریں احکامِ الٰہی کے تابع ہیں۔ جب انسان اللہ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے تو خوش رہتا ہے اور اگر اللہ کے احکامات کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس کی زندگی میں خوف اور غم شامل ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔" (البقرۃ: ۳۰)

آدم کی نیابت و خلافت علم الاسماء سے مشروط ہے۔ اگر انسان علم الاسماء کا علم نہیں جانتا تو نیابت اور خلافت زیرِ بحث نہیں آتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کہا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا کہ آدم زمین میں فساد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء سکھا کر آدم کو حکم دیا کہ بیان کر جو ہم نے تجھے سکھایا ہے۔ آدم نے جب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم بیان کیا تو فرشتوں نے اعتراف کیا کہ ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا علم آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔

مفہوم واضح ہے کہ آدم کی فضیلت اس علم کی وجہ سے ہے جو علم فرشتے اور جنات نہیں جانتے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے آدم کی روح کو منتقل کیا ہے۔ اس علم کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی اس روح کو جانتا ہو۔ روح کو جاننے کے لئے matter اور روشنی...... روشنی اور نور کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ (کتاب: احسان و تصوّف)

---

کتاب" احسان و تصوّف" بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل ہے۔

شفیق الرحمٰن

# بیزاری ایک بیماری

سردیوں میں گرمیوں کا فراق ستاتا ہے، گرمیوں میں سردیوں کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ جس روز بے کار ہوں، اس روز کام یاد آتا ہے اور جب کام کر رہے ہوں تو بے کار رہنے کے لئے دل مچلتا ہے۔

---

جب امتحان کے دنوں میں مجھے یک لخت تیس چالیس بیماریاں لاحق ہوئیں تو دل بے تحاشا دھڑکنے لگا، جگر نے ہڑتال کر دی اور سو گیا۔ کانوں میں ہوائی جہازوں کی آوازیں آنے لگیں، ٹانسلز بڑھنے لگے، اللہ جانے کیا سے کیا ہو گیا۔ سب سے قابل ڈاکٹر کے پاس گیا۔ انہوں نے بغور ملاحظہ فرمایا پھر کچھ سوچ کر بولے، تمہارے سب نظام اچھے بھلے ہیں، بس تم بیزار ہو۔

میں نے بیزاری کے لئے دوا طلب کی۔

بولے، بیزاری کے لئے دوائیں بے کار ہیں۔

واقعی میں بیزار تھا، امتحانی بیزاری میں مبتلا تھا۔ اس دن پتہ چلا کہ خطرناک بیماریوں میں ایک بیماری ”بیزاری“ ہے جس کا ذکر طب کی کتابوں میں سرے سے غائب ہے — امتحان میں پاس ہوتے ہی بیزاری دور ہو گئی۔

کوئی اوسط درجے کا گھرانا لے لیجئے۔ بچے بیزار ہیں کہ انہیں ڈانٹ دیا جاتا ہے۔ امی بیزار ہیں کہ نوکر کہنا نہیں مانتے۔ نوکر بیزار کہ صاحب کے دوست بہت تنگ کرتے ہیں اور صاحب بیزار ہیں کہ بچوں کے ماموں ہر تیسرے روز شکار کھیلنے آ جاتے ہیں۔ ماموں بیزار ہیں کہ رائفل کا لائسنس اب تک نہیں ملا۔ چچا چاہیں تو بآسانی لائسنس مل سکتا ہے۔ چچا بیزار ہیں کہ اُن کے صاحبزادے اپنی مرضی کے مطابق شادی کریں گے۔ صاحبزادے بیزار ہیں کہ جن خاتون کو وہ چاہتے ہیں، وہ اب کھنچی کھنچی رہتی ہیں اور وہ خاتون بیزار ہیں کہ ان کا ہاضمہ خراب ہوتا جا رہا ہے اور اکثر پسلی میں درد ہو جاتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ بیزاری شروع کہاں اور ختم کہاں ہوتی ہے اور یہ سب کے سب بیزار کیوں ہیں؟ کیا بیزار رہنا ان کا شغل ہے؟

ایک موڈ بھی ہوتا ہے۔ موڈ بیزاری کا چھوٹا بھائی ہے۔ (یہاں صرف برے موڈ کا ذکر ہو رہا ہے۔) جب موڈ شروع ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ آدھ گھنٹے کے اندر بیزاری آنا چاہتی ہے۔

سنائیے جناب! آپ کا کیا حال ہے؟

'صبح سے میرا موڈ اچھا نہیں، کل اچھا بھلا تھا۔'

موڈ کیا ہوا، اچھا خاصا دورہ ہو گیا کہ کیا جانے کس وقت پڑ جائے۔ مصیبت یہ ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ موڈ شروع کب ہوا تھا اور جائے گا کب؟ اور اگر چلا گیا ہے تو کب گیا ہے پھر کسی وقت آدبوچے گا۔

ایک مرتبہ ہمارے دوست کے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہم دونوں کے ذہن میں یہ بات تھی کہ ہر شخص کی زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب اسے محبت ہو جاتی ہے۔ خواہ محبت آگے چلے یا نہ چلے لیکن اثر ساری عمر ختم نہیں ہوتا۔ چناں چہ وقت کے فرمان کے سامنے انہیں بھی سر جھکانا پڑا اور یہی سمجھ کر کہ یہ پہلی اور آخری محبت ہے، برا حال کر لیا۔ خاتون میرے دوست سے ایک سال بڑی تھیں، صحت واجبی تھی، باتیں قنوطیوں کی سی کرتی تھیں۔ ہر وقت بیٹھی سوچتی رہتی تھیں لیکن میرے دوست کو بہت اچھی لگتی تھیں۔ اس وقت تو علم نہ تھا لیکن اب وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بیزار تھیں۔ کتنی مرتبہ دوست نے کوشش کی کہ ان سے کچھ کہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تکلّف تکلّف میں یہ ان سے کچھ کہیں اور نہ وہ کچھ کہیں اور دونوں کا وقت مفت میں ضائع ہو تا رہے لیکن کچھ نہ ہوا۔ ارادہ کر کے جاتے تو وہ اس قدر سنجیدہ ہو جاتیں کہ بات کرنے کی ہمت نہ پڑتی اور وہ موسم وغیرہ کے متعلق گفتگو کر کے واپس آجاتے۔

ایک دن ہمیں پتہ چلا کہ وہ چند دنوں کے لئے کہیں جارہی ہیں۔ دوست سے کہا کہ ایسے موقع پر اگر چلتے چلتے اظہارِ...... کر دیا جائے تو کارگر ثابت ہو تا ہے۔ جتنے دن وہ باہر رہیں گی، تمہارا خیال رہے گا۔ جب وہ واپس آئیں گی تو دل میں تم ہی تم ہو گے۔ چناں چہ دوست ان سے ملے۔

دیکھئے، چند باتیں کرنا چاہتا ہوں، بہت ضروری ہیں۔ آپ کہیں باہر جارہی ہیں؟

ہاں، جارہی ہوں۔ کوئی اعتراض ہے؟

لاحول ولا قوۃ۔ بھلا اعتراض کیا ہو سکتا ہے؟ ویسے آپ سن لیں گی نا؟

سننے کو سن لوں گی، کانوں میں انگلیاں تو دینے

سے رہی۔ اور یہ کیا لاحول ولا قوۃ۔ کوئی شیطان بیٹھا ہے یہاں؟ دوست چپ ہو گیا۔

بولتے کیوں نہیں؟ باتیں کرنے آئے تھے اور اب گم صم بیٹھے ہو۔ بولو؟

اجی، کیا خاک بولوں، جی نہیں چاہتا کچھ کہنے کو۔

اس طرح بولتے ہیں بڑوں سے؟ کیا خاک کہوں— شاباش ہے۔ پتہ ہے میں تم سے ایک سال بڑی ہوں۔

جی ہاں، جب ہی تو میں ہمیشہ آپ کا ادب کرتا ہوں بالکل بڑوں کی طرح۔

کیا کہا، بڑوں کی طرح؟ تمہارے خیال میں، میں پچاس ساٹھ برس کی ہوں اور تم ننھے بچے ہو۔ ایک سال کا فرق بھی کوئی فرق ہوتا ہے؟

دوست پھر چپ ہو گیا۔

چپ کیوں ہو؟ وہ ڈانٹ کر بولیں۔

دوست نے پُر درد لہجے میں کہنا شروع کیا، یہ باتیں میں کبھی نہ کہتا لیکن متواتر بے رخی اور بے توجہی نے مجھے۔۔۔

خاتون بولیں، تمہارا گلا کیوں بیٹھا ہوا ہے؟ زکام کا اثر ہے یا نزلے کا؟ حالاں کہ دوست نے آواز کو پُر درد بنانے کی کوشش کی تھی۔

بولا، گلا ٹھیک ہے۔

ٹھیک کیسے ہے؟ کہہ رہی ہوں کہ بیٹھا ہوا ہے۔

جی ہاں، گلا بیٹھا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو کچھ میں کہوں گا، آپ سن لیں گی؟

ہاں ہاں، سن لوں گی، سن لوں گی، سن لوں گی۔

کہو تو عہد نامہ لکھ کر دستخط کر دوں؟

دراصل، میں ان باتوں کا جواب ابھی نہیں چاہتا۔ بے شک ابھی جواب نہ دیں، میں۔۔۔

چچ چچ بھلا جن باتوں کا جواب تمہیں درکار نہیں، ان کے ذکر سے فائدہ؟

اس کے بعد دوست نے کسی سے اظہارِ محبت نہیں کیا۔ چند سال کے بعد راز کا انکشاف ہوا کہ محبت اور بیزاری ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ اگر بیزاری کی وجہ سوچی جائے تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ امیری غریبی کو لیا جائے تو جواب صفر نکلتا ہے۔ عموماً امیر زیادہ بیزار نکلیں گے۔ غریبوں کو اول تو بیزار ہونے کی فرصت نہیں ملتی اور جو بیزار ہوتے ہیں، وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہم دنیا میں زبردستی بھیجے گئے ہیں، زندگی کا لطف تو امیر اٹھا رہے ہیں۔ ادھر امیر ہیں کہ بہت سی دوائیں کھا رہے ہیں۔ اگر بیمار ہیں تو بھی بیزار ہیں۔ اگر بیمار نہیں تو بھی۔ دبلے ہیں تو بیزار ہیں اور موٹے ہیں تو بھی۔ بہت سے امیر گاؤں میں

رہنے والے کسانوں پر رشک کھا کھا کر بیزار رہتے ہیں۔ ان سے کوئی کہے کہ بسم اللہ جاؤ جا کر گاؤں میں رہو، منع کون کرتا ہے لیکن پتہ ہے کہ گاؤں چلے گئے تو ہفتے بھر میں بیزار ہو جائیں گے۔ کنوارے بیزار ہیں کہ شادی کر لیتے تو اچھے رہتے اور بیاہے الگ بیزار ہیں کہ کیوں کر بیٹھے؟ سمجھ میں نہیں آتا، یہ بین الاقوامی بیزاری کیوں ہے؟ کہیں یہ تو نہیں کہ یہ خواہشیں اور اُمنگیں بہانے ہیں اور ہم واقعی بیزار رہنا چاہتے ہیں؟ بیزار رہنا ہماری فطرت میں ہے۔ اگر ہم بیزار نہ ہوں تو اُداس ہو جاتے ہیں۔ ہماری زندگی میں رنج کو اس قدر دخل ہے کہ جس روز غمگین نہ ہوں، بے چین ہو جاتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کوئی آکر ہمیں غمگین بنا جائے۔

ایک مختصر سی بیزاری ہم موسم کے ہیر پھیر میں خواہ مخواہ مول لے لیتے ہیں اور بہت سے حضرات موسم پر پیچ و تاب کھا کھا کر بیزار رہتے ہیں۔ کسی گرم دن میں لوگ گرمی کو خوب کوستے ہیں اور برسات کے دن کو یاد کرتے ہیں کہ آہاہاہا کیسا ٹھنڈا اور سہانا دن تھا۔ اور برسات کے دن وہی حضرت بادلوں کو کوس رہے ہوں گے کہ کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ صبح سے ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ جہاں ہاتھ لگاؤ، گیلا ہی گیلا ہے۔ سورج نکلے تو کچھ فرق پڑے۔

سردیوں میں گرمیوں کا فراق ستاتا ہے، گرمیوں میں سردیوں کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ جس روز بے کار ہوں، اس روز کام یاد آتا ہے اور جب کام کر رہے ہوں تو بے کار رہنے کے لئے دل مچلتا ہے، کسی بات سے تسلی نہیں ہوتی۔ فرمائیں گے، وہ شام کیسی اچھی تھی۔ ہائے، کتنی پیاری تھی وہ شام! پوچھیں کہ کون سی شام اور اس میں کیا تھا؟ جواب دیں گے، پچھلے سال جنوری کی ایک سہانی شام جب خوب صورت ترین غروبِ آفتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ آج بھی ویسی ہی شام ہے، نہایت دلفریب غروبِ آفتاب ہے۔ اس شام ہرگز لطف نہ اٹھایا جائے گا۔ اور اگر کبھی ذکر بھی ہو تو وہ آج سے دو ایک سال کے بعد ہو گا۔ چوں کہ جنوری کی وہ شام گزر چکی ہے اس لئے وہی اچھی تھی۔

پُر لطف باتیں ہو رہی ہیں، مسکراہٹ سے سب کے چہرے روشن ہیں، شگفتگی ہے۔ یک لخت دھند چھا جاتی ہے جو بڑھتی جاتی ہے۔ لوگوں پر نشہ سا چڑھنے لگتا ہے اور دیکھتے دیکھتے منہ لٹکنے

شروع ہو جاتے ہیں۔ تنے ہوئے ہونٹ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ماتھے پر شکنیں آجاتی ہیں۔ شگفتگی بخارات بن کر اڑ جاتی ہے۔ پہلے چند آدمی بیزار ہوتے ہیں پھر دیکھا دیکھی اور بیزار ہونے لگتے ہیں اور ذرا دیر میں محفل کی محفل بیزار ہو جاتی ہے۔ اس سے بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ بیزاری ایک قسم کی چھوت کی بیماری ہے جس کے جراثیم ہوا میں موجود ہیں۔

بیزار بچے بھی دیکھے ہیں جو اس قدر جذباتی بن جاتے ہیں کہ اگر آپ کسی کتّے بلّی کو جھڑکیں تو وہ خواہ مخواہ ٹھنکنے لگتے ہیں یا ان کا چہرہ اس قسم کا ہوتا ہے جیسے کوئی بت رکھا ہو۔ انہیں چھیڑو، ہنساؤ، گدگداؤ، کیا مجال جو ان پر اثر ہوتا ہو۔ بس یونہی بیٹھے دنیا کی بے ثباتی پر غور کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں ایک صاحب سے ملنے گیا۔ وہ گھر میں نہیں تھے۔ ایک بچہ باہر آیا جس کے چہرے سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔ پاس آکر چپکا کھڑا ہوگیا۔ نہ علیک نہ سلیک۔ تمہارے ابا کہاں ہیں؟ جواب ملا، وہ باہر ہیں۔

اچھا، کب تک آجائیں گے؟

بولا، پتہ نہیں، شاید آنے والے ہوں۔ اور جو نہ آئیں تو رات تک نہ آئیں۔ ویسے آئیں گے ضرور، اکثر آجایا کرتے ہیں۔ آپ بیٹھئے۔

میں بیٹھ گیا۔ ساتھ والے کمرے سے جھڑکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ کوئی خاتون اس بچے کو ڈانٹ رہی تھیں کہ تو بالکل بدتمیز ہے۔

بچہ کہہ رہا تھا، میں نے کہا تو تھا کہ بیٹھ جایئے۔

وہ بولیں، احمق کہیں کے۔ ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ تشریف رکھئے۔

ذرا سی دیر میں بچہ منہ بنائے آیا اور کواڑ کھول کر بولا، جناب! تشریف رکھئے، اور واپس چلا گیا۔

آخر یہ بیزاری چیز کیا ہے اور کیوں چھا جاتی ہے؟ کوئی بیماری ہے یا قلبی کیفیت ہے؟ اس کا تعلق روح سے ہے یا جسم سے؟ یا شاید کچھ بھی نہیں۔ اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ میں نے نہایت دکھی انسانوں کو مسرور دیکھا ہے۔ ایسے حضرات بھی دیکھے ہیں جن کی زندگی میں صبح سے شام تک ایک خوشی نہیں پھر بھی وہ مسکراتے رہتے ہیں اور دوسروں کی ہمت بندھاتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ انتہائی بیزاری میں انسان کی حالت کیا ہوتی ہے کیوں کہ زیادہ بیزار ہونے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ دل کی روشنی

اور روح کی شگفتگی بیزاری کے جانی دشمن ہیں۔ خود ہی سوچئے کہ باہر باغ میں پھول کھلے ہوئے ہیں، پتّے جھوم رہے ہیں، سبزہ لہلہارہا ہے، کلیاں شرمارہی ہیں، چاروں طرف چمک ہے، مسرت ہے، زندگی ہے اور ہم گھٹے ہوئے کمرے میں کرسی پر بیزار بیٹھے ہیں اس لئے کہ کسی نے کچھ کہہ دیا، کوئی بری طرح پیش آیا، کہیں فون کیا اور وہاں کوئی ملا نہیں یا ڈر ہے کہ کہیں کوئی بے رخی نہ برتے۔ اگر کوئی وجہ نہیں تو پھر اس لئے بیزار ہیں کہ اگر بیزار نہ ہوں تو اور کریں بھی کیا۔۔۔ اور یہ بیزاری دن بھر کے پروگرام کا ایک حصہ ہے۔

عمر خیاّم کی رباعیات آپ نے پڑھی ہوں گی۔ اتفاق نہ ہوا ہو تو فرصت میں ضرور مطالعہ کیجئے۔ یہ ضروری نہیں کہ عمر خیاّم کے کہنے کے مطابق ضرور سبزے پر لوٹا جائے، نہر کے کنارے بیٹھ کر کچھ پیا جائے اور ہر راہ چلتے سے چھیڑ خانی کی جائے۔ یہ زیادتی ہے لیکن مسرور رہنا چاہئے۔ اسی طرح مسرور ادب اور مسرور انسانوں کی صحبت زندگی میں نئی نئی خوشیاں لے آتی ہے۔

اس چمکیلی سنہری دنیا میں نیلے نیلے آسمان کے نیچے کیا کچھ نہیں۔ مسکراتے ہوئے پھول ہیں، ناچتی ہوئی تتلیاں ہیں، نسیمِ سحر کے جھونکے، برسات کی جھڑیاں، غروبِ آفتاب کی رنگین شفق ـــ سبھی کچھ تو ہے۔ اور جب کسی ہنس مکھ اور مخلص انسان کی رفاقت میسر ہو تو پھر بیزار ہونا گناہ ہے۔

محترم عظیمی صاحب کے دادا بزرگ، پیرِ ہرات* حضرت عبد اللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ میں موسمِ بہار میں پیدا ہوا ہوں اس وجہ سے بہار کا موسم مجھے بہت پسند ہے۔

ایک مرتبہ بہار کا موسم ختم ہوا، گرم ہوائیں چلنے لگیں۔ پھول دیکھنے کے لئے بے قرار تھا کہ آنکھوں کو سرور ملے۔ سیر کے دوران باغ میں بہت حسین لالہ کا پھول دیکھا جو پیالے کے برابر ہو گا۔ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔

ایک روز دل بہت تنگ ہوا۔ غور کرتا رہا یہ کیفیت کس وجہ سے ہے۔ یکا یک ہوا کا تیز جھونکا آیا اور اوپر سے کاغذ گرا۔ کاغذ پر سرخ روشنائی سے تحریر تھا:

”تجھ کو کشادگی حاصل ہوگئی۔“

---

* ہرات (افغانستان کا صوبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**یٰسٓ شریف، قرآن کریم کا مکمل نسخہ اور ۳۰ سپاروں کا سیٹ**

دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ساتھ اندرونی صفحات میں
خوب صورت ڈیزائن کردہ خط (font)
جس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ آیات بآسانی پڑھی جاسکیں۔
زیادہ سے زیادہ لوگوں میں ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیجئے۔

ملنے کا پتہ:
عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4، سرجانی ٹاؤن، کراچی، پاکستان۔

+92-(0)21-36417843
+92-(0)305-4435207

عظیمی
عظیمی یونیورسٹی پریس®
AZEEMI UNIVERSITY PRESS

زیرِ سرپرستی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

QALANDAR SHAOOR ACADEMY

HYDERABAD - PAKISTAN

# قلندر شعور اکیڈمی

## مراقبہ ہال حیدر آباد

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کر سکتے ہیں۔

★ ★ ★

روحانی علوم کے متلاشی، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات کے لئے خوش خبری

گلشنِ شہباز، نزد ٹول پلازہ، جامشورو حیدر آباد، 71000، پاکستان
فون نمبر: 0333-2695331 ، 0331-3615533

تجمل
Tajammal

IATA
ACCREDITED AGENT
IATA Code: 27342433

# تجمل ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

## تجمل للسفریات ( الخاصہ) المحمدودہ

ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ

ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ

عمرہ سروس

بجٹ پیکج
اکانومی پیکج

5 ہوٹل کی بکنگ

# ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز

شبعۃتی ایچ اے〈THA〉لتطورالامور تتعلق باالعمال/الموعطفین الاجانب

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR
(خصۃ تسعۃ:۴۱۸۹/ایل ایچ آر)

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa

thaoep1@gmail.com

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر
ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

رانا تجمل حسین
CEO

+92 300 6654 211
+92 302 1165 300
+92 321 6680 266
+92 41 2641 904

Office No. 54, Gate No. 5, Iqbal Stadium. Faisalabad. PK

Canderel
with Stevia
Naturally Sweet
Zero Calorie
Sweetener
Available in
Tablets, Sachets and Jars
SEARLE

نادیہ افتخار

# وقت ضائع ہوا ــــ؟

ڈول کنوئیں کے اندر ڈال کر پانی نکالنا پڑتا ہے لیکن اس میں شرط ہے کہ اندر جانے والا ڈول خالی ہو۔ اگر وہ پانی سے بھرا ہوا ہوگا تو۔۔۔ ؟

بات مشاہدہ میں آجائے تو علم یقین بن جاتا ہے۔ روحانی تعلیم کے دوران مرید کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ تم جس مشاہدے کی تلاش میں ہو، وہ کہیں اور نہیں، تمہارے اندر ہے اور جو اندر ہے، وہی باہر ہے ـــ پوری زندگی مشاہدہ ہے۔

جس کام سے روکا جاتا ہے، مرید نہیں کرتا تو مرید پر اس حکم کی حکمت روشن ہو جاتی ہے۔ آدمی کو بدبو کا احساس ہو جائے تو وہ بدبو سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔ اور بدبو کیا ہے ـــ؟ ہر وہ کام اور سوچ جو اللہ سے دور کرتی ہے، بدبو ہے اور جو کام اور سوچ اللہ سے قریب کرتی ہے، وہ خوش بو ہے۔

لالٹین کی چمنی (شیشہ) اندر سے صاف کی جاتی ہے، باہر سے نہیں۔ باہر سے جتنی صفائی کی جائے، کالک دور نہیں ہوتی۔

ایک ملاقات میں خواب کی تعبیر پوچھنے پر مرشد کریم نے فرمایا تھا،

"روز سونے سے پہلے ڈائری میں پورے دن کا احوال لکھ لیا کریں اور کچھ عرصے بعد اپنی لکھی ہوئی ڈائری پڑھ لیں۔ خواب کی تعبیر مل جائے گی۔"

ڈائری لکھی۔ ایمان داری سے لکھی۔ ایک ہفتے بعد ڈائری پڑھی تو مسلسل دہرائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی ہوئی۔ دوسرے ہفتے، تیسرے ہفتے ڈائری لکھی اور پڑھی۔ چند ماہ میں واضح ہو گیا کہ وہ کون سی کوتاہیاں تھیں جن کی طرف خواب میں اشارہ تھا جیسے،

- ہر دوسرے روز فجر کی نماز قضا ہونا۔
- وقت ضائع کرنا۔
- خیالی پلاؤ پکانا۔

مرشد کریم نے حکمت اور شفقت کے ساتھ آئینہ ہاتھ میں دے کر مجھے اپنی صورت دیکھنے کا ہنر سکھایا۔ اپنے آپ کو دیکھنا اور اپنی غلطی کو غلطی سمجھنا، میں ان صفات سے لاتعلق تھی۔ انہوں نے مشاہدے سے گزار کر غلطی کی اصلاح کی اور آئینے میں دیکھنا سکھایا۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

"مرید اور مرشد کا رشتہ استاد شاگرد، اولاد باپ کا ہے۔ مرید مرشد کو محبوب ہوتا ہے۔ مرشد مرید کی افتادِ طبیعت کے مطابق تربیت کرتا ہے۔ اس کی چھوٹی بڑی غلطیوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ نشیب و فراز اور سفر کی صعوبتوں سے گزار کر اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں پُرسکون زندگی اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔"

مرشد مرید کی طبیعت کے مطابق تربیت کرتا ہے لہٰذا مرید کو اپنا موازنہ دوسرے مریدوں سے نہیں کرنا چاہئے۔ نگاہ جتنی دیر آئینے پر رہے، سفر تیزی سے طے ہوتا ہے۔ نگاہ لوگوں پر رہے تو راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔

خانقاہوں میں آنے والے مرید بعض اوقات یکسوئی کا مرکز پیر و مرشد کی بجائے خانقاہ کے معاملات کو بنا لیتے ہیں۔ کسی شے کو جتنی اہمیت دی جاتی ہے، وہ اسی اعتبار سے بڑی نظر آتی ہے۔ مرید کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اس نے کس کو اہمیت دے دی ہے۔ اب چاہے وہ دس یا بیس سال پرانا مرید ہو — وقت ضائع ہوا۔

ایک صاحب مرشد کریم کے پاس شکایت لے کر آئے۔ شکایت سننے کے بعد انہوں نے پوچھا، آپ یہاں کیوں آتے ہیں؟

ان صاحب نے بلا توقف عرض کیا کہ میں آپ کے لئے آتا ہوں۔

مرشد نے فرمایا، پھر آپ میرے لئے ان کو معاف کر دیں۔

عرض کیا، میں آپ کی بات سمجھ گیا۔

مرشد کریم نے فرمایا،

"اہمیت اس بات کی ہے کہ یہاں آکر آپ کی مرکزیت کیا ہے۔ آپ سیکھنے آئے ہیں، میرے لئے آئے ہیں — میرے لئے اس لئے آئے ہیں کہ آپ وسیلے سے روحانی نسبت حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے فی الارضِ خلیفہ انسان کو جو علم عطا کیا ہے، آپ وہ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے شکایت کی، اصل میں یہ آپ کی اپنی

اہمیت ہے۔ آپ کی انا آپ کے سامنے کھڑی ہوگئی کہ صاحب، انہوں نے مجھے برا کہا۔ اگر آپ کے ذہن میں خیال آتا کہ میں اس انا کے لئے تو نہیں آیا تھا تو کیا ہوتا۔۔۔؟ اصلاح ہوتی، آپ درگزر کرتے ۔۔۔ نام مل جاتا، درجہ بڑھ جاتا۔"

مرید کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کی مرکزیت مرشد سے ہٹ کر دوسرے معاملات کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ خود کو پارسا سمجھتا ہے اور نیک ہونے کے زعم میں انا کا غبارہ پھولتا جاتا ہے۔

روحانی زندگی مسلسل امتحان ہے۔ محنت سے توجہ سے، مرشد کی شفقت سے مرید اوپر آتا ہے اور اپنی غلطی کی وجہ سے واپس صفر پر چلا جاتا ہے جیسے سانپ سیڑھی کے کھیل میں ہوتا ہے۔ منزل قریب ہوتی ہے، سانپ کاٹ لیتا ہے اور ہم نیچے آجاتے ہیں۔ راستہ دوبارہ طے کرنا پڑتا ہے۔سب سے بڑا سانپ آدمی کے اندر پُرفریب "میں" ہے ۔۔۔ ماحول سے ملنے والا الوژن شعور اور الوژن عقائد۔

روحانی بزرگ فرماتے ہیں،

"جب تک الوژن کی نفی نہیں ہوتی، مرشد کا علم حاصل نہیں ہوتا۔"

باادب بانصیب

بے ادب بے نصیب

ادب کا تعلق باطن سے ہے، ظاہر سے نہیں۔ ظاہر کو باطن سے الگ سمجھنا فریب ہے۔ فریب سے آنکھوں پر پردہ آجاتا ہے اور باطن کے اسرار نظر نہیں آتے۔ فریب سے محفوظ رہنے کا طریقہ فرماں برداری اور تعمیل ہے۔

ڈول کنوئیں کے اندر ڈال کر پانی نکالنا پڑتا ہے لیکن اس میں شرط ہے کہ اندر جانے والا ڈول خالی ہو۔ اگر وہ بھرا ہوا ہوگا تو کنوئیں کے پانی کے لئے ڈول میں جگہ نہیں بنے گی۔ اسی طرح علم اندر ہے، اندر سے باہر آتا ہے۔ اندر کا علم حاصل کرنے کے لئے دماغ کی سلیٹ فکشن تصورات سے صاف ہونی چاہئے۔

محاسبے کی مشق اور تعمیلِ حکم سے میں نے سیکھا کہ آدمی احتیاط کر کے راہ میں پتھروں کی ٹھوکر سے بچ جاتا ہے لیکن یکسو نہ ہو تو ہموار نظر آنے والے راستے میں توازن بگڑتا ہے اور قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ رکاوٹیں اچھی ہوتی ہیں

اور خطرناک بھی — وہ رکاوٹ جو سنبھل کر چلنا سکھاتی ہے، اچھی ہے لیکن "میں" سے پیدا ہونے والی رکاوٹیں خطرناک ہیں۔

روحانی زندگی مسلسل امتحان ہے۔ جو مرید مرشد کی آنکھوں (تربیت) کے واسطے سے دیکھتا ہے، اس کی نگاہ تیز اور قدم مضبوط ہوتے ہیں۔ جو حکم کو نظر انداز کرکے فرضی "میں" کی ترغیب قبول کرتا ہے، وہ گر کر اٹھنا بھول جاتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ خواب کی تعبیر جاننے سے پہلے میں نابینا تھی۔ مرشد کریم نے دیکھنا سکھایا۔ جیسے اندھے کو سڑک پار کرنے کے لئے بینا کا سہارا چاہئے، اسی طرح مرید کو مرشد کا دامن پکڑ کر دنیا کے بازار سے گزرنا چاہئے۔ مرشد ہاتھ پکڑ کر راستے کی صعوبتوں سے بچاتا ہے اور بینائی بحال کرنے کا علاج بھی کرتا ہے۔

علاج تب ہوتا ہے جب بیماری کی تشخیص ہو۔ تشخیص ہو جاتی ہے، مرض کا علاج تجویز کیا جاتا ہے۔ دونوں کام بیمار کی مرضی اور خواہش پر ہوتے ہیں اس لئے سلسلۂ عظیمیہ کے قواعد و ضوابط میں ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے مکمل تحقیق کی جائے پھر فیصلہ کیا جائے۔

روحانیت خود سپردگی کا راستہ ہے۔ خود سپردگی تب ممکن ہے جب آدمی یقین کے ساتھ اپنی لاعلمی اور مرشد کو حاصل علم کا اعتراف کرے، نومولود بچے کی طرح خود کو مرشد کی گود میں ڈال دے۔ پھر چون وچرا باقی نہیں رہتی ورنہ شعور مزاحمت کرتا ہے اور مرید بار بار غلطی کرکے تکلیف سے گزرتا ہے۔ مرید کی تکلیف پر مرشد تکلیف میں رہتا ہے، اس کی کوتاہیوں پر صبر کرتا ہے، بار بار معاف کرتا ہے۔ اس قدر معاف کرتا ہے کہ مرید کو شرمندگی ہوتی ہے اور بالآخر وہ خود کو مرشد کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔

### نسخ + تعلیق

نستعلیق جس میں اردو لکھی جاتی ہے، دو رسم الخط کا مرکب ہے۔ یہ چودھویں اور پندرہویں صدی میں ایران میں بنایا گیا تھا۔ نسخ عربی اور تعلیق فارسی رسم الخط ہے۔ دونوں مل کر نستعلیق بن گئے۔ اردو زبان میں باسلیقہ اور مہذب لوگوں کو نستعلیق کہا جاتا ہے یعنی بہت نفیس اور صاف طبیعت کا مالک۔

دنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
انسان وہ گھر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
وہ وقت کہ سب جس کو اہم کہتے ہیں
وہ وقت صفر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں

دن کا خوب صورت آغاز ہے۔ سرد موسم میں کھڑکی سے آنے والی ہلکی تیز — تیز ہلکی تپش چہرے پر بھلی محسوس ہو رہی ہے۔ ایک طرف باہر پھول پھلواری ہے، دوسری طرف کمرے کا منظر ہے جہاں ہاتھ میں کاغذ قلم لئے کوشش میں ہوں کہ "....." پر کچھ لکھ سکوں۔

خاموش فضا میں گھڑی کی ٹک ٹک دستک دے رہی ہے، کچھ کہہ رہی ہے۔ ممکن ہے اس نے میری سوچ پڑھ لی ہے۔ یہ مجھے اپنی داستان سنا رہی ہے جسے سمجھنے کے لئے مجھے خود کو وقت کے دھارے میں سفر کرنا ہے۔

گھڑی کی ٹک ٹک متواتر ہے۔ ہر پل اس کی گونج میں ظاہر ہو کر گم ہو رہا ہے۔ سماعت آواز اور نظر گھڑی پر تھی کہ ذہن نے پوچھا، وقت کیا ہے، کب سے ہے اور کب تک رہے گا؟

خیال ماضی میں لے گیا اور اپنی پیدائش کو وقت کی ابتدا سمجھا لیکن میں اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی کیوں کہ وقت میری پیدائش سے پہلے سے موجود ہے۔ یہ نہ ہوتا تو زندگی کس بیلٹ (اسپیس) پر حرکت کرتی۔ یہ اور بات ہے کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے میں کسی اور دنیا میں پیدا ہو چکی ہوں۔ اُس دنیا کا نام عالمِ ارواح ہے جہاں مخلوق تھی لیکن اپنے ہونے کا احساس نہیں تھا۔ پھر ایک آواز "الست بربکم" نے موجودگی کا شعور دیا اور واقفیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کائنات کی ابتدا ہو یا ایک نہیں بے شمار دنیاؤں کی، وقت پہلے سے موجود ہے۔

وقت کی تلاش میں شعوری طور پر ماضی کا سفر کیا تو سفر اس دنیا تک محدود رہا۔ نہ مجھے دنیا میں آنے کا دن یاد ہے اور نہ غیب حاضر دنوں کا

واقعات۔ پیدائش کا ابتدائی زمانہ تصاویر میں دیکھا ہے۔ اماں ابا نے ایک بچے کی تصویر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ یہ تم ہو، میں نے قبول کرلیا کہ میں ہوں۔

ماضی کے سفر کا جو حصہ شعور میں محفوظ ہے، خوش گوار یادیں اور تلخ تجربات جو وقت کے ساتھ مدہم ہوئے تھے، تازہ ہوگئے۔ احساس ہوتا ہے کہ وقت کا سفر محض گھڑی کی سوئیوں کا گھومنا نہیں ہے، یہ زندگی کو حرکت سے آشنا کرتے ہوئے معدوم کے موجود اور موجود کے معدوم ہونے کی نشانیاں چھوڑ جاتا ہے۔

وقت کی تلاش میں خیال گھڑی کی آواز میں کیا گم ہوا کہ قرطاسِ ابیض پر نقش بکھر گئے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

وقت خالقِ کائنات کا راز ہے۔ کائنات کے لئے اس کی ابتدا کُن سے ہوئی لیکن وقت کُن سے پہلے بھی موجود ہے جہاں زندگی کے نقوش ہیں لیکن نقوش مخفی ہیں۔

عزیز و حکیم اللہ کا ارشاد ہے،

"بے شک انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا گزرا ہے جب وہ ناقابلِ تذکرہ تھا۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا بنایا۔ اسے راستہ دکھایا، خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔" (الدھر: ۱۔۳)

خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وقت کی لامحدود اور محدود طرزیں بیان کی ہیں۔ وقت کی لامحدود طرز میں ہر شے ناقابلِ تذکرہ ہے لیکن محدود طرز میں ہر تخلیق کے دو رخ ہیں۔ دو رخ سے مرکب مخلوق کو راستہ دکھانے والی آواز ایک ہے۔ آدمی پر منحصر ہے کہ وہ شکر کے راستے پر چل کر وقت کے لامحدود رخ سے روشناس ہوتا ہے یا ناشکری کر کے محدود رخ کو زندگی سمجھ لیتا ہے۔

الہامی کتابوں میں وقت کی منفرد وسعتیں بیان ہوئی ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اس تدبیر کی روداد اوپر اس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔"

(السجدۃ: ۵)

قرآن کریم میں وقت کو بیان کرنے کے لئے

متعدد الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسے دہر، حین، وقت اور العصر۔ فجر، صبح، چاشت، رات، دن اور زمانے کی قسم کھائی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ حرکات و سکنات کا تعلق وقت سے ہے — کُن کی آواز کے ساتھ مخلوقات کے لئے وقت کا آغاز ہوا، وقت کی تحریک پر کائنات سفر میں ہے اور سفر کا اختتام آواز پر ہے۔

”پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔“ (المؤمنون: ۱۰۱)

خالقِ کائنات اللہ نے کُن فرمایا تو ازل سے ابد تک اللہ کے ارادے میں موجود پروگرام ظاہر ہوگیا۔ کُن — لمحۂ حقیقی ہے، باقی سب اس لمحے کی تفصیلات اور تفہیم ہیں۔ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کُن کی تشریح میں فرماتے ہیں،

”صرف ایک سیکنڈ ہے جو حقیقی ہے اور اس ایک سیکنڈ کی تقسیم سے ازل سے ابد تک وجود صادر ہوا ہے یعنی وہی ایک حقیقی سیکنڈ، وقفے کا چھوٹے سے چھوٹا یونٹ تقسیم ہو کر وقت کے لامتناہی یونٹوں میں رونما ہو رہا ہے۔ اس ایک سیکنڈ کے تکوینی مراحل کا اظہار اس عمل پر مبنی ہے کہ اس کی تقسیم لامتناہی یونٹوں کی شکل و صورت اختیار کرلے۔ اس شکل و صورت کا نام مظاہرِ کائنات یا عالمِ ناسوت و جبروت و لاہوت ہے۔“

قارئین — یہ اسپیس کی تقسیم کی جامع تشریح ہے۔ قابلِ توجہ ہے کہ حقیقی لمحہ ایک ہے، باقی سب لمحے میں موجود ریکارڈ کی تفصیل ہے۔ مظہر کا ہر یونٹ ایک اسپیس یا ایک وجود ہے۔ ہم ہر اسپیس کو دوسری اسپیس سے الگ سمجھتے ہیں لیکن ان کی اکائی ”وقت“ نے سب میں تعلق قائم کیا ہے۔ کوئی اس تعلق کو ظاہر دیکھتا ہے اور بہت سے لوگوں کے لئے یہ مخفی ہے لیکن تعلق بہر حال موجود ہے۔

لمحۂ حقیقی کی اسپیس کتنی ہے اور اس اسپیس میں فاصلہ کتنا ہے، وہی بتا سکتا ہے جسے قدرت نے آگاہی بخشی ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

مرنے جینے میں فاصلہ کتنا ہے
اک آن کا وقفہ بھی نہیں اتنا ہے
اک آن اگر وقت کبھی رک جائے
معلوم یہ ہوجائے کہ یہ جتنا ہے

لوگ کہتے ہیں کہ وقت نظر نہیں آتا۔ ہم جو

کچھ دیکھتے ہیں، وہ وقت کا مظاہرہ ہی تو ہے۔

ہاتھ زانو پر رکھے ہیں، ہم ان کو ساکن سمجھتے ہیں۔ غور کیجئے —ہاتھ کے اندر لہریں دَور کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ لہریں کرنٹ کا احساس پیدا کرتی ہیں پھر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہاتھ پھیل رہا ہے، سمٹ رہا ہے— سانس لے رہا ہے۔ ہاتھ کچھ وقت کے لئے ایک جگہ پڑا ہوا ہو تو اسے ساکن کہہ دیا جاتا ہے۔ ہاتھ کی رگوں میں خون کی روانی ہے، لہریں دَور کر رہی ہیں۔ جسم کا ہاتھ کو محسوس کرنا اور ہاتھ میں کرنٹ کا بہاؤ وقت کے پھیلنے اور سمٹنے کا تعین ہے۔

اگر شے ٹھہری ہوئی نظر آتی ہے تو قریب جا کر دیکھئے، وہ ٹھہری ہوئی نہیں ہے، وہ کسی اسپیس سے منسلک ہے اور اسپیس حرکت میں ہے۔ اسپیس کی حرکت وقت کا مظاہرہ ہے۔

---

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ، محترم عظیمی صاحب نے ٹائم، اسپیس اور رفتار کو سمجھانے کے لئے کتاب "احسان و تصوف*" میں تین مسافروں کی دلچسپ تمثیل لکھی ہے۔ مختصر یہ کہ دو طویل اور ایک درمیانے قد کا شخص سفر میں ہیں۔ ایک مقام ایسا آتا ہے جب تینوں سڑک کے کنارے گھنے درخت کے سائے میں بیٹھتے ہیں اور آرام کرتے ہیں۔ ایک مسافر کہتا ہے،

"جب ہم سڑک پر چل رہے تھے چوں کہ ہمارے قدم اٹھ رہے تھے اس لئے سڑک پیچھے جارہی تھی، ہم آگے جا رہے تھے۔ قدموں کے یکے بعد دیگرے اٹھنے میں اور زمین پر پڑنے میں جب سڑک کافی پیچھے رہ گئی تو ہم نے دیکھا کہ 20 منٹ کا وقت گزر چکا ہے لیکن اب ہم بیٹھے باتیں کر رہے ہیں، چل نہیں رہے ہیں تو ایک گھنٹے کا وقت کیسے گزر گیا؟ کیا وقت کا تعلق چلنے سے ہے یا وقت چلنے کے بغیر بھی گزرتا ہے؟"

قارئین! مسافر کے سوال کا جواب مضمون میں موجود ہے۔ تلاش کیجئے۔

تحقیق و تلاش (سائنس) تسلیم کرتی ہے کہ کائنات میں ہر شے حرکت میں ہے، چاہے وہ ایٹم ہو یا پوری کائنات۔ منجمد کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ساکن ہیں —حواس کام کررہے ہیں، خون قطرہ قطرہ بہہ رہا ہے،

---

* کتاب "احسان و تصوف" بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل ہے۔

خون کے اندر ایٹم اور ایٹم میں الیکٹران مستقل متحرک ہیں۔ دل دھڑک رہا ہے۔ اعضا ڈیوٹی دے رہے ہیں — یہ خلیات سے بنے ہیں اور خلیات ایٹم کا مجموعہ ہیں۔ ایٹم میں الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران موجود ہیں جو لہروں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

جس زمین پر ہم کھڑے ہیں، بتایا جاتا ہے کہ وہ 1,670 کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اپنے محور پر گردش کر رہی ہے اور سورج کے گرد بھی مستقل حرکت میں ہے۔ سورج مِلکی وے کہکشاں کے گرد حرکت کر رہا ہے جو خود اپنے مدار پر حرکت میں ہے۔

کائنات میں کوئی شے ساکن نہیں۔ ہر شے مشین کے کَل پرزوں کی طرح ربط میں ہے۔ مشین میں حرکت کی ابتدا ہوتی ہے تو ایک پرزے کو دھکا لگتا ہے — پُرزہ در پُرزہ سارے پرزے چل پڑتے ہیں۔

وقت کی حدود ازل تا ابد ہیں لیکن ہم نے اسے محدود پیمانے میں سمجھا ہے۔ ہمارا شعور اسپیس میں تقسیم ہے۔ ہم نے گھڑی کے اندر دائرے کو تین سوئیوں، 12 ہندسوں اور ہر دو ہندسوں کے درمیان خلا کو کھرب ویں حصے تک تقسیم کر دیا ہے۔ دو ہندسوں کے مابین خلا میں فاصلہ کتنا ہو اور سوئی کس رفتار سے سفر کرے گی، یہ تعین فرضی ہے۔ اسی پر تحقیق و تلاش اور روزمرہ معاملات چل رہے ہیں۔

زمین کے محدود شعور میں قید فرد وقت سے واقف نہیں ہے۔ وہ فرضی تقسیم سے فاصلے کی پیمائش کرتا ہے، اسے درست تسلیم کرتا ہے اور اسی پر نظریات کی عمارت قائم کی ہوئی ہے۔ ایسے نظریات اور ان کی بساط پر اسکول، کالج اور جامعات میں تعلیمی نظام قائم ہے۔

لمحۂ حقیقی سے پھیلنے والی عظیم الشان کائنات کا پھیلاؤ ایک لمحے کے سوا کچھ نہیں۔ اس لمحے کی تعریف دائرہ یا صفر ہے جس کا اوّل، آخر، ظاہر اور باطن سب ایک ہیں۔

ابدالِ حق رباعی میں فرماتے ہیں،

دنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
انسان وہ گھر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
وہ وقت کہ سب جس کو اہم کہتے ہیں
وہ وقت صفر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں

عظیمی

# روغن گلوسبز

پُرسکون نیند لاتا ہے

سر کے جملہ امراض اور

ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے

چاند کی کرنیں جذب کر کے تیار کیا جاتا ہے

125ml

Rs. 500

پاکستان بھر میں ہوم ڈلیوری کی سہولت

0332 308 5058

سفینہ طارق

# تما گو یا کی

دنیا کے سب سے بڑے آملیٹ بنانے کا ریکارڈ پرتگال کے پاس ہے۔ اس کا وزن 6.44 ٹن تھا۔ اس میں ایک لاکھ 45 ہزار انڈے، 434 لیٹر تیل اور تقریباً سو کلو مکھن استعمال کیا گیا۔

---

آملیٹ — بچوں کے ناشتے کی پسندیدہ غذا بڑوں میں بھی مقبول ہے۔ اس کی تاریخ دلچسپ ہے۔ بادشاہوں سے لے کر عام آدمی تک اور مشرق و مغرب سے لے کر شمال و جنوب تک آملیٹ کی تراکیب مختلف ہیں۔ یہ کہاں اور کب ناشتے کی میز پر آیا، کسی کو نہیں معلوم۔

آملیٹ کی مقبولیت کی وجوہات میں ایک اس کا جلدی پکنا ہے۔ دنیا بھر میں آملیٹ کی بے شمار اقسام ملتی ہیں۔ یہ تیل میں پکتا ہے اور سبزیاں شامل ہوتی ہیں البتہ لوگوں کے مزاج کی وجہ سے اس میں مختلف اشیا کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بعض علاقوں میں سبزیوں کے ساتھ گوشت بھی شامل کیا جاتا ہے جس سے پکنے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے مگر کھانے میں اس کا مزہ عام آملیٹ سے الگ ہے۔

تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو فرانس کے لوگ فخریہ کہتے ہیں کہ آملیٹ ان کی ایجاد ہے لیکن بعض تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ اس ڈش کو نپولین بونا پارٹ مصر سے فرانس لایا تھا۔ یہ فرنچ آملیٹ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

فرنچ آملیٹ کو پنیر، تازہ اجوائن یا پیاز کے ساتھ پکایا جاتا ہے۔ فرنچ آملیٹ کا مخصوص ذائقہ حاصل کرنا آسان نہیں۔ کھانا بنانے کی کلاسوں میں اسے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

جب انگریزوں نے برِصغیر پر قبضہ کیا تو ناشتے کی میز پر فرانسیسی طرز کا آملیٹ بھی متعارف کرایا۔ برصغیر کے لوگ مسالوں کے شوقین ہیں۔ انہوں نے بدیسی آملیٹ کو دیسی بنایا۔ اس میں مرچ اور تیز مسالے شامل کیے اور یہ مسالا آملیٹ بن گیا۔ مسالا آملیٹ میں انڈوں کو نمک،

لال اور ہری مرچ، پیاز اور ٹماٹر ڈال کر تلا جاتا ہے۔ بچے بڑے سب شوق سے کھاتے ہیں۔

امریکی آملیٹ کی تاریخ بھی بتانے سے قاصر ہے کہ یہ امریکا میں ناشتے کی میز پر پہلی مرتبہ کب اور کیسے آیا۔ بعض تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ چین سے آنے والوں نے اسے امریکا میں متعارف کروایا پھر لوگوں کے مزاج کے مطابق اس میں جدت آتی رہی۔

امریکی آملیٹ اندر سے نرم اور باہر سے رنگ بھورا رکھا جاتا ہے۔ اس میں گوشت، پنیر، شملہ مرچ، کٹی ہوئی پیاز اور ٹماٹر وغیرہ ڈالے جاتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے لوگ امریکی طرز کے آملیٹ میں اپنے رواج کے مطابق اضافہ کرلیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے مطابق آملیٹ کا ذائقہ زردی کے بغیر زیادہ بہتر ہے۔

امریکی آملیٹ ڈبل روٹی کے ساتھ ناشتے میں کھایا جاتا ہے لیکن رات کو کھانے کی میز پر رکھا جائے تو ساتھ میں آلو کے چپس تل کر رکھے جاتے ہیں جن کو ہم ”فرنچ فرائز“ کہتے ہیں۔ فرنچ فرائز جو بچوں اور بڑوں کی یکساں پسندیدہ غذا ہے، فرانسیسیوں کی کاوش ہے اور ان ہی کے نام سے مشہور ہے۔

اسپین کا آملیٹ امریکی آملیٹ سے مختلف ہے اور اس کی اپنی تاریخ ہے۔ اسپین کی تاریخ میں سب سے پہلے آملیٹ کا ذکر 1817ء میں ملتا ہے لیکن اس کی پہلی شکل کیا تھی اور کس طرز پر بنایا گیا، دستیاب معلومات میں ابہام ہے۔

کچھ حوالوں کے مطابق اسپین میں آملیٹ کھانے والا پہلا شخص جنرل ٹوماس تھا۔ دوسری روایت کے مطابق جنرل ٹوماس نے ایک غریب خاتون کے گھر کا اچانک دورہ کیا۔ گھر میں چند چیزیں کم تھیں۔ بڑے افسر کی آمد کی وجہ سے اس نے جو شے کھانے کے لئے میز پر رکھی، وہ اسے ”آملیٹ“ کہتے ہیں۔

---

تیسری روایت ہے کہ اسپین اور پرتگال کی جنگ میں قید ہونے والے پُرتگالی قیدیوں نے 1600ء کے اواخر میں آملیٹ بنایا لیکن تاریخ میں اس حوالے سے حتمی بات موجود نہیں۔

ہسپانوی آملیٹ انڈوں کے ساتھ آلو اور پیاز

کی وجہ سے خاصا موٹا ہوتا ہے۔ سمجھ لیجئے، پاکستانی تندوری روٹی سے کچھ زیادہ۔

یہاں آملیٹ محض ناشتے کی ڈش نہیں ہے، کسی بھی پہر کھا سکتے ہیں۔ اسپین کے لوگ آملیٹ کو گرم، ٹھنڈا یا کمرے کے درجۂ حرارت کے مطابق گرم کھاتے ہیں۔ اس کے اوپر اجوائن کے پتّے باریک کاٹ کر چھڑکنے کا رواج ہے اور آملیٹ کے ساتھ مایونیز، سلاد، ڈبل روٹی یا سینڈوچ، زیتون یا اچار ہوتا ہے۔ دعوتوں میں اس آملیٹ کے ساتھ ٹھنڈے مشروبات پیش کئے جاتے ہیں۔

اسپین کی طرح اٹلی کے آملیٹ کی تاریخ بھی ماضی کے اوراق میں گم ہے۔ اٹلی میں بنائے جانے والے آملیٹ میں گوشت اور سبزیاں ہونے کی وجہ سے یہ جسامت میں اسپین کے آملیٹ سے موٹا ہوتا ہے۔ شروع سے آخر تک اوون میں پکتا ہے۔ اٹلی میں آملیٹ کو "فریٹاٹا" جب کہ جاپان میں "تماگویاکی" کہتے ہیں۔

آملیٹ کی جاپانی تاریخ 1600ء میں شروع ہوئی ۔ 1950ء میں جب جاپانی حکومت نے عوام کو آگاہی دینا شروع کی کہ بچوں کو پروٹین کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے تو آملیٹ کو مقبولیت ملی اور 1960ء تک یہ جاپانی بچوں کی پسندیدہ غذا بن چکا تھا۔ جاپانی آملیٹ کا اپنا ذائقہ، رنگ اور حجم ہے۔ یہ انڈوں کے بنے ہوئے کئی پین کیک کی تہیں لگا کر بنایا جاتا ہے۔ مٹھاس کے لئے سویا ساس اور چینی استعمال ہوتی ہے۔

تاریخ دانوں کو آملیٹ کے آبائی وطن کے بارے میں دستاویزی ثبوت نہیں ملے لیکن ان کا خیال ہے کہ آملیٹ پہلے پہل مصر، ترکی یا ایران میں کسی ایک جگہ یا تینوں جگہوں میں بنا۔ دنیا بھر میں کھانا پکانے کے ماہرین (شیف) کے ٹی وی پروگرام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سی ڈشیں دنیا کے مختلف خطوں میں الگ الگ طور سے بنتی اور ذائقے کو تقویت دیتی رہی ہیں جیسے آذربائیجان سے ایشیا اور یورپ کے کچھ ملکوں میں پلاؤ وہاں کی ترکیب کے مطابق بنتا ہے۔ اسی طرح آملیٹ مختلف خطے کے لوگوں نے اپنے طور پر بنانا شروع کیا۔

تصور کیا جا سکتا ہے کہ انڈا ہاتھ آیا۔ سادہ انڈا

کھانے سے جی اکتایا تو اماں نے نیا ذائقہ دینے کے لئے اسے پھینٹا، سبزیاں اور کچھ مسالے ڈالے اور فرائنگ پین پر انڈے کی روٹی بنادی جس کا نام ”آملیٹ“ ہوگیا۔ پھر یہ مقبول ہوتا ہوا کیا سے کیا بن گیا۔

آملیٹ کے مختلف ذائقوں میں ترکی کا آملیٹ الگ ہے اور شکل بھی مختلف ہے۔ جس طرح پاکستان میں آلو کے قتلوں یا ٹماٹر کی ڈش بنتی ہے، ترک آملیٹ اس سے ملتا جلتا ہے۔ پاکستان کی ان غذاؤں میں انڈوں اور چند اجزا کا اضافہ کر دیا جائے تو ”ترک آملیٹ“ بن جاتا ہے۔

ترک کھانے غذائیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ریستورانوں اور گھروں میں کھانوں کے ساتھ سلاد بطور خاص رکھی جاتی ہے، یہ بہترین اور منفرد ہوتی ہے — اثر ترکوں کے رنگ روپ میں نظر آتا ہے۔ ترکی میں بننے والے آملیٹ میں بعض دفعہ انڈے مکس کر دیے جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انڈے تل کر ڈش کے اوپر رکھے جاتے ہیں تاکہ لوگ اپنی اپنی پسند کا حصہ کھا سکیں — زردی، سفیدی یا دونوں۔

دنیا بھر میں اکتوبر کا دوسرا جمعہ انڈوں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ 2010ء میں انڈوں کے عالمی دن کو انقرہ میں بڑے پیمانے پر منایا گیا۔ اس روز ایک لاکھ دس ہزار انڈوں سے اس وقت کا سب سے بڑا چھ ٹن وزنی آملیٹ تیار کیا گیا جس کے لئے دس میٹر قطر کا فرائنگ پین استعمال ہوا۔ تیاری میں ڈھائی گھنٹے لگے۔ اب یہ ریکارڈ پرتگال کے پاس ہے جس کے آملیٹ کا وزن 6.44 ٹن تھا۔ اس میں ایک لاکھ 45 ہزار انڈے، 434 لیٹر تیل اور تقریباً سو کلو مکھن استعمال کیا گیا۔ تیاری میں 150 رضاکار شیف شامل تھے۔ کتنے لوگوں نے کھایا، معلوم نہیں۔

ذکر ہے ایرانی آملیٹ کا جسے فارسی زبان میں ”املت گوجہ فرنگی“ کہتے ہیں۔ یہ بہت حد تک پاکستانی آملیٹ سے ملتا ہے البتہ تیاری میں پہلے پیاز کو بھون کر ہلدی ملائی جاتی ہے پھر ٹماٹروں کے ساتھ پکایا جاتا ہے۔ اس کے بعد انڈے شامل کر کے کچھ دیر مزید پکاتے ہیں۔ کچھ لوگ ہلدی نہیں ڈالتے مگر خاص ایرانی طرز کے آملیٹ میں ہلدی کا ذکر ملتا ہے۔

آملیٹ صرف مذکورہ ممالک میں متعارف نہیں ہے، دنیا کے ہر خطے میں کسی نہ کسی شکل میں ہر عمر کے لوگوں کی غذا میں شامل ہے۔ آملیٹ کھانے کی ایک بڑی وجہ پروٹین کے حصول کے لئے مزیدار ڈش ہے ورنہ انڈے ابال کر، ہاف فرائی اور مکس فرائی کرکے بھی کھائے جاتے ہیں اور ان کا گھوٹالہ بھی ذائقے سے بھرپور ہوتا ہے۔

پاکستانی گھرانوں میں آملیٹ کی سب سے سادہ شکل یہ ہے کہ انڈا، پیاز، ہری مرچ کے ساتھ نمک کو اچھی طرح پھینٹ کر تلا جاتا ہے پھر پراٹھے یا ڈبل روٹی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ یہ میسر نہ ہوں تو روٹی کے ساتھ۔ پاکستان میں آملیٹ زیادہ تر ناشتے یا ہائی ٹی میں ہوتا ہے۔ ساتھ میں چائے پینے کا رواج ہے۔

سرحدیں بدلتے ہی کھانوں کی ترکیب بدل جاتی ہے۔ آملیٹ بھی تغیر سے محفوظ نہیں۔

قارئین، کیا آپ کو آملیٹ پسند ہے؟

اگر آپ کے گھر میں آملیٹ روایتی طرز سے مختلف بنتا ہے تو ترکیب لکھ کر بھیجئے۔

### ہسپانوی آملیٹ

آلو آدھا کلو

ایک عدد بڑی پیاز (سفید پیاز بہتر ہے)

زیتون کا تیل 150 ملی لیٹر

انڈے چھ عدد

اجوائن (باریک کٹے ہوئے پتّے) تین ٹی اسپون

ترکیب: پیاز کو باریک اور آلو کو چھیل کر موٹے قتلے کاٹئے۔ بڑے فرائنگ پین میں تیل گرم کیجئے۔ اس میں آلو پیاز ڈال کر آہستہ آہستہ چمچہ چلائیے۔ آدھے گھنٹے کے لئے ڈھکن تھوڑا کھول کر پین پر رکھ دیجئے اور وقفے وقفے سے چمچہ چلاتی رہئے۔ آلو گلنے پر تیل الگ کرلیجئے۔

انڈوں کو پھینٹنے کے بعد آلوؤں میں اجوائن اور نمک مرچ ملائیے۔ الگ کئے گئے تیل کو چولہے پر رکھئے اور ساری اشیا ملا کر ہلکی آنچ پر پکائیے۔ اسپیچولا سے آملیٹ کے کناروں کا جائزہ لیتی رہئے۔ آملیٹ تقریباً تیار ہو تو تین دفعہ پلٹئے اور ہر دفعہ پلٹنے کے بعد کچھ دیر پکائیے۔ ساتھ ساتھ اسپیچولا سے آملیٹ کے کناروں کا خیال رکھئے تاکہ اس کی موٹائی برقرار رہے۔

ہسپانوی آملیٹ تیار ہے۔

# سرورق کی تشریح

دسمبر 2024ء کے شمارے میں حضرت امیر کلالؒ پر سرورق اور مضمون دونوں عمدہ ہیں۔ مضمون بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ ان کے ارشادات شریعت و طریقت کے سالکین کے لئے مشعلِ راہ ہیں جیسے کپڑے خشک کرنے کے لئے جگہ کے انتخاب میں مریدوں سے فرمایا،

”کپڑے سکھانے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرو کہ نہ باغ کے مالک کو نقصان پہنچے اور نہ گائے بھینس کا چارا خراب ہو۔ بہتر ہے کہ کپڑے باڑ پر بچھادو۔ ان باتوں کو نظر انداز نہ کرو، یہ معمولی باتیں نہیں ہیں بلکہ کسی کام کو معمولی مت سمجھو۔ لوگوں کی تکلیف کا خیال رکھو ورنہ بے حسی کی عادت وبال بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر راستے کو کشادہ کرتا ہے جو تقویٰ کو شعار بناتا ہے۔“

تقویٰ — اللہ کا قرب ہے۔ لوگوں کی تکلیف کا خیال رکھنے کی عادت چھوٹی بڑی مصیبتوں سے محفوظ رکھتی ہے — اللہ کے قرب کے متمنی قدم قدم پر اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔

سفر کے دوران جنگل سے گزر ہوا اور سامنے شیر آیا تو مرید ڈر گئے۔ حضرت امیر کلالؒ نے طوطیِ ہند حضرت امیر خسروؒ کا شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے،

”اگر تو اللہ کے حکم سے منہ نہ موڑے تو کوئی تیرے اوپر غالب نہ ہو۔“

مضمون پڑھنے کے بعد سرورق پر دوبارہ نظر ڈالی تو مزار میں سے لہریں نکلتی محسوس ہوئیں۔

(ثوبیہ حارث۔ اوٹاوا، کینیڈا)

”ماہنامہ قلندر شعور“ دسمبر 2024ء کے سرورق پر سلسلۂ نقشبندیہ کے معروف بزرگ حضرت امیر کلالؒ کے مزار کی تصویر شائع کی گئی ہے۔ صاحبِ مزار کا نام پڑھنے سے پہلے مزار کو دیکھتے ہی خیال گزرا کہ مزار کا مخصوص اور قدیم طرزِ تعمیر وسطی ایشائی ممالک کے خطے کا لگتا ہے جسے پرانے

زمانے میں خوارزم کہتے تھے۔ صاحبِ مزار کا نام پڑھ کر تصدیق ہو گئی۔

بچپن میں حضرت امیر کلالؒ کے بارے میں مختصر پڑھا تھا۔ ان کے اوصاف اور تعلیمات خوش بو کی طرح لگیں۔ سرورق دیکھ کر برسوں پہلے کی خوش بو کو حواس نے ایک بار پھر محسوس کیا۔ ان کی تعلیمات پر مضمون پڑھا۔ مختصر لیکن جامع انداز میں حضرت امیر کلالؒ کی حیات ، سفرِ ولایت اور اوصاف و تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔

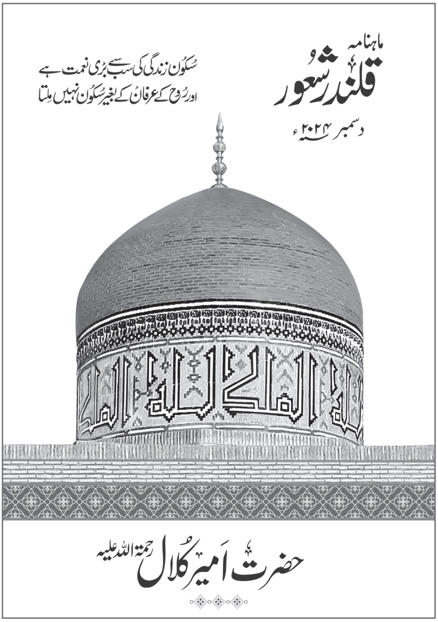


حضرت امیر کلالؒ کو بچپن سے اولیاء اللہ کی ارواحِ طیبہ اور اُس دور کے عظیم اولیا کی نظرِ عنایت اور فیض سے سیراب ہونے کا موقع ملا۔ اپنے پیر و مرشد حضرت بابا سماسیؒ سے ان کی ملاقات، ملاقات سے چند لمحے قبل بابا سماسیؒ کی ان کے بارے میں گفتگو معنی خیز اور دلچسپ ہے ۔ اس سے بخوبی منکشف ہوتا ہے کہ کسی مرید کے بس یا اختیار میں ہرگز نہیں کہ وہ خود کو کسی سچے عارف باللہ، مرشدِ کامل کے درِ اقدس سے وابستہ کر سکے۔ یہ محض خالقِ کائنات اللہ کے دوستوں کی مہربانی اور غریب نوازی ہے کہ وہ کسی کو اپنی ذات سے فیض یاب کرنے کا ارادہ کریں اور اسے شاگردی میں قبول کریں۔

حضرت امیر کلالؒ نے بابا سماسیؒ کی روحانی فرزندی میں آنے کے بعد اپنا پسندیدہ مشغلہ پہلوانی فوراً ترک کر دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ مرید کو اپنے پیر و مرشد کا ذہن اور علوم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہن کی نفی کر کے خود کو دروبست پیر و مرشد کے ذہن کے تابع کر دے۔

خانہ کعبہ سے ہزاروں میل دور موجود شخص کو حرم شریف کی زیارت کروانے، کبش کے علاقے

میں مولانا جلال الدین کبشیؒ کے متوجہ ہونے پر حضرت امیر کلالؒ کے اسی لمحے وہاں موجود ہو جانے کی کرامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست، خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم اور انعامات کے تحت زمان و مکاں (ٹائم اسپیس) کی حد بندیوں سے آزاد ہوتے ہیں، جتنا اللہ چاہے۔ وہ کائنات میں حسبِ منشا فاصلے کی قید کے بغیر سفر کر سکتے ہیں اور اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے دور دراز مقامات کا بنفسِ نفیس مشاہدہ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی سیرت اور تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی صفات دراصل پیغمبران کرام علیہم السلام اور آخری نبی، باعثِ تخلیقِ کائنات حضرت محمدؐ کے روحانی علوم کا فیض ہیں۔

حضرت امیر کلالؒ کے مزار کے بارے میں چند معلومات یہ ہیں:

حضرت امیر کلالؒ کا مزار ازبکستان کے اہم ترین تاریخی، مذہبی اور ثقافتی مقامات میں سے ایک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ 1370ء میں حضرت امیر کلالؒ کے وصال کے بعد مریدین نے مزار کی سادہ عمارت تعمیر کی جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوئی بلکہ مزار کی نئے سرے سے تعمیر کئی بار ہوئی۔ مزار کی حالیہ تصویر "ماہنامہ قلندر شعور" کے سرورق پر ہے۔ 2008ء میں ازبکستان حکومت کے خصوصی منصوبے کے تحت مزار کی تعمیر مکمل ہوئی۔ خیال رکھا گیا ہے کہ حضرت امیر کلالؒ کے دور کا "تیموری طرزِ تعمیر" برقرار رہے اور اس کا اپنے زمانے کے مطابق اظہار ہو۔

مزار کے ساتھ خوب صورت مسجد تعمیر کی گئی ہے جس میں لگ بھگ 500 لوگوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اس کے ساتھ زائرین کی سہولیات کا معیاری انتظام موجود ہے۔ گنبد کی اونچائی تقریباً دس میٹر (33.3 فٹ) سے تجاوز کر جاتی ہے۔ گنبد پر " اللہ الملک" کے الفاظ کوفی رسم الخط میں خوب صورتی سے کندہ ہیں۔ سورج کی کرنیں پڑنے سے مزار کا حسن بڑھ جاتا ہے۔

دنیا کے ہر خطے میں اللہ کے دوستوں کے مزار نہ صرف امن و سکون اور محبت کی علامت ہیں بلکہ یہ اس علاقے کا تہذیبی، تاریخی، ثقافتی اور مذہبی ورثہ بھی ہیں۔ (مکمل مینا)

# نفس کا ترک

فارسی ادب میں ''مثنوی مولوی معنوی'' کا منفرد مقام ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف چھ دفاتر پر مشتمل ہے جن میں اشعار کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مثنوی کی تصنیف کا سبب مولانا رومؒ کے مرید حسام الدین چلپی بنے۔ مولانا رومؒ نے دفترِ اول کے علاوہ ہر دفتر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ مثنوی دلچسپ پیرائے میں ظاہر و باطن کا احوال ہے جس سے ہر شخص فہم و فراست کے مطابق حکمت حاصل کرتا ہے۔ یہ مثنوی سادگی، روانی، منقولات و معقولات، نصیحت آمیز جملوں، تلمیحات و استعارات اور دلچسپ واقعات و تمثیلات کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے قارئین کے لئے مولانا رومؒ کی مثنوی کا اردو ترجمہ اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

---

نفس کی غلامی کو ترک کرنے کا قصہ سنو تا کہ میری بات کے راز کا ایک حصہ جان لو۔

قیصرِ روم کا ایک ایلچی* دور دراز سے مدینہ منورہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملنے آیا۔ لوگوں سے پوچھا، خلیفہ کا محل کہاں ہے تا کہ گھوڑا اور سامان وہاں لے جاؤں۔

لوگوں نے کہا، امیر المؤمنین کا کوئی محل نہیں ہے۔ ان کا محل تو اُن کی روشن جان ہے۔ گرچہ ان کی سرداری کی شہرت ہے لیکن مکان فقیروں جیسا ہے۔ اے بھائی! تو ان کا محل کیسے دیکھ سکتا ہے جب کہ تیرے دل کی آنکھ میں پڑوال* اگا ہے۔ دل کی آنکھ کو پڑوال سے صاف کر پھر ان کے محل کے دیکھنے کی امید کر۔ جس کی جان ہوس سے پاک ہے، وہ جلد دیکھ لیتا ہے۔ جو وسوسے کا دوست ہے، وہ حقیقت کب دیکھ سکتا ہے؟ جس کے سینے کا دروازہ کھل جائے، وہ ہر ذرّے میں آفتاب دیکھتا ہے۔ دو انگلیوں کے سِرے دونوں آنکھوں پر رکھ۔ انصاف کر، دنیا کا تجھے کچھ نظر آتا ہے؟ اگر تو نہیں دیکھتا تو یہ دنیا تو معدوم نہیں ہے۔

---

* ایلچی (سفیر) * پڑوال (بیماری کا بال)

کوئی شخص آنکھ بند کرلے، دنیا کی کوئی چیز اس کو نظر نہیں آئے گی لیکن چیزیں معدوم نہیں ہیں ۔ اسی طرح دل کی آنکھ بند ہو تو مشاہدۂ حق نہ ہوگا لیکن حق موجود ہے۔ نفس کی انگلی کے علاوہ کوئی عیب نہیں ہے۔ خبردار! آنکھ سے انگلی ہٹالے پھر جو چاہتا ہے، دیکھ۔

حضرت نوحؑ کی امت نے ان سے پوچھا کہ ثواب کہاں ہے؟

فرمایا، "واستغشوا ثیابھم*" کے اس طرف ہے۔ تم نے منہ اور سر کپڑوں میں لپیٹ رکھا ہے۔ تم آنکھ والے ہوکر بھی نابینا بنے ہو۔

---

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

آدمی بینائی ہے، باقی کھال ہے۔ دید دراصل "محبوب" کی دید ہے۔ جب دوست کا دیدار نہ ہو تو اندھا ہونا اچھا ہے۔ جو دوست باقی رہنے والا نہ ہو، اس کا دور ہونا اچھا ہے۔

جب روم کے ایلچی نے یہ تروتازہ لفظ سنے تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملنے کی تڑپ بڑھی اور آنکھیں مشتاق بن گئیں۔ سامان اور گھوڑے کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دیا۔ وہ دیوانوں کی طرح پوچھتا پھرتا کہ ایسا آدمی بھی ہوگا؟ ان کو تلاش کیا تاکہ غلامی اختیار کرے۔ لامحالہ تلاش کرنے والا پالینے والا ہوتا ہے۔

قیصرِ روم کے ایلچی نے حضرت عمرؓ کو کھجور کے درخت کے نیچے سوتا ہوا دیکھا۔ ایک بدو عورت نے اس اجنبی کو دیکھ کر کہا، یہ ہیں عمرؓ، کھجور کے درخت کے نیچے سو رہے ہیں۔

وہ اُس جگہ آیا اور دور کھڑا ہوگیا۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو دیکھا اور کپکپی طاری ہوگئی۔ ایلچی کے دل میں خوف پیدا ہوا اور محبت بھی۔ محبت اور ہیبت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دو ضدوں کو اپنے اندر دیکھا تو بولا، میں نے بادشاہوں کو دیکھا ہے، بادشاہوں کے

---

* واستغشوا ثیابھم (قرآن کریم کی سورۂ نوحؑ میں ذکر ہے کہ حضرت نوحؑ کی دعوت پر قوم نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور منہ پر کپڑے اوڑھ لئے تاکہ ان کی بات نہ سن سکیں اور نہ ان کو دیکھ سکیں۔ حضرت نوحؑ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک تمہارا کفر رہے گا، ثواب کہاں نظر آئے گا۔)

سامنے مطمئن رہتا ہوں، ہیبت اور خوف نہیں ہوتا لیکن اس شخص کی ہیبت نے میرے حواس گم کردیے۔ میں شیر اور تیندوے کی جھاڑی میں گیا ہوں لیکن چہرے کا رنگ نہیں بدلا۔ بہت سے معرکوں میں شیر کی طرح لڑا ہوں، بھاری زخم کھائے اور بہت سے لگائے اور دوسروں سے قوی دل رہا ہوں۔ یہ شخص بغیر ہتھیاروں کے زمین پر سویا ہوا ہے اور میں لرز رہا ہوں۔ یہ سب کیا ہے؟

یہ اللہ کی قدرت ہے، مخلوق کی نہیں۔ یہ اس گدڑی پوش انسان کی ہیبت نہیں ہے۔ جس شخص نے اللہ کے حضور خشیّت اختیار کی اور تقویٰ کو اپنایا، اس سے جنات اور انسان اور جو بھی اُس کو دیکھے، ڈرتا ہے۔

اسی فکر میں وہ ادب سے دست بستہ ہوا۔

ایک گھنٹے بعد حضرت عمر فاروقؓ نیند سے بیدار ہوئے۔ اس نے تعظیم کی اور سلام کیا۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ نے فرمایا ہے،

"پہلے سلام پھر کلام۔"

حضرت عمرؓ نے وعلیکم السلام کہا۔ قریب آنے کو کہا اور پاس بٹھایا۔

جو ڈرتا ہے، اس کو مطمئن کرتے ہیں، جس کے دل میں ڈر ہو، اس کو تسکین دیتے ہیں۔ ڈرنے والوں کی مہمانی کا کھانا "نہ ڈرو" ہے۔ اور جو لوگ خشیّتِ الٰہی کا احساس رکھتے ہیں، ان کے لئے خوش خبری ہے۔ جس کو ڈر نہ ہو، اس کو "نہ ڈرو" تو کیسے کہے گا؟ معنی یہ ہیں کہ اللہ کو حاضر و ناظر جاننے والے کو طمانیت حاصل ہوتی ہے پھر کسی چیز کا خوف نہیں رہتا۔

حضرت عمرؓ نے ایلچی کی برباد طبیعت کو آباد کیا۔ گھبرائے ہوئے کو خوش کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے قیصرِ روم کے ایلچی سے بات کی اور روم کے ایلچی نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے باریک باتیں کیں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جو بہترین رفیق ہے اور پھر ابدال* پر اللہ کی نوازشوں کے بارے میں تاکہ ایلچی مقام اور حال کو سمجھ جائے۔ حال گویا حسین دلہن کا جلوہ ہے اور مقام دلہن کے ساتھ خلوت ہے۔ جلوہ تو شاہ

* ابدال (نظامِ تکوین میں اولیاء اللہ کا ایک منصب و مقام)

اور شاہ کے غلام بھی دیکھتے ہیں لیکن خلوت* کے وقت بادشاہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ صوفیوں میں اہلِ حال بہت ہیں، ان میں صاحبِ مقام کم ہیں۔ ایلچی کو جان کی منزلیں بتلائیں اور اس کو روح کے سفر یاد دلائے۔ اُس زمانے کی یاد دلائی جو (قید) زماں سے خالی تھا اور اُس مقامِ قدس* کی جو جلالی ہے اور اس ہوا کی جس میں روح کے سیمرغ نے اس سے پہلے خوشی کی پرواز دیکھی ہے — اس کی ہر پرواز مشتاق کی امید اور قصد سے بڑھی ہوئی تھی۔

حضرت عمرؓ نے بیگانہ صورت کو یار اور اس کی طبیعت کو اسرار کا طالب پایا۔ شیخ کامل تھا اور طالب پُر شوق۔ سوار ہوشیار تھا اور سواری تیار۔ دیکھا کہ وہ استعداد رکھتا ہے — پاک بیج پاک زمین میں بو دیا۔

ایلچی نے عرض کیا، اے امیرالمؤمنین! روح عالمِ بالا سے زمین پر کیوں آئی؟ لاتعداد پرندے پنجرے میں کیسے آ گئے —؟

انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کُن فرمایا، وہ معدوم جو آنکھ اور کان نہیں رکھتے، اللہ کے حکم سے جوش (حرکت) میں آ جاتے ہیں۔ سورج سے کہا تو چمک دار ہو گیا۔ پھر اس کے کان میں کوئی خوف ناک نکتہ پھونک دیا تو سورج کے رخ میں سو گرہن آ گئے۔ پھول کے کان میں کچھ کہا، اس کو شگفتہ کر دیا۔ خوب صورت لعل سے کچھ کہا اور اس کو چمک دار بنا دیا۔ معلوم نہیں، زمین کے کان میں کیا پھونک دیا ہے کہ وہ منتظر اور خاموش ہو گئی ہے۔ نہیں معلوم اس بولنے والے نے ابر (بادل) کے کان میں کیا کہا ہے کہ اس نے مَشک کی طرح پانی بہا دیا۔

جو شخص تردّد* میں پریشان ہے، اللہ نے اس کے کان میں کوئی معمّہ کہا ہے تاکہ اس کو دو گمانوں میں مبتلا کر دے۔ وہ الجھن میں رہتا ہے کہ یہ کروں جو فلاں نے کہا یا اس کی ضد؟ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جانب کا رجحان پاتا

---

* مقام مستقل کیفیت ہے، اس کو دلہن کے ساتھ خلوت سے تشبیہ دی ہے۔ حال زوال پذیر کیفیت ہے، اس کو جلوہ قرار دیا ہے۔ اہلِ حال کے آثار ہر کس و ناکس پر ظاہر ہو جاتے ہیں، صاحبِ مقام کی کیفیت عوام سے مخفی رہتی ہے۔ * مقامِ قدس (عالمِ جبروت) * تردّد (کام کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ نہ کرسکنا)

ہے۔ دونوں میں سے ایک کو اختیار کرتا ہے۔

اے بندے! تو شعور کو تردّد میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تو روئی جان کے کان میں نہ ٹھونس۔ وسوسے کی روئی کو کان سے نکال دے تاکہ آسمان سے آواز تیرے کان میں آئے اور تو ان معمّوں کو سمجھ لے، واضح بات اور اشاروں کا ادراک کرے اور باطنی آواز کو سن لے۔

باطن کی آواز مخفی حس کی گفتگو ہے۔ جسم کے کان اور آنکھ اِس حس سے الگ ہیں۔ عقل کا کان اور گمان کی آنکھ اس سے خالی ہے۔ جبر کے لفظ نے میرے عشق کو بے قرار کر دیا۔ جب بات سمجھ میں آگئی کہ مطلق اختیار صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے تو میرے عشق میں اضافہ ہو گیا۔ جو عاشق نہیں ہے، اس کو جبر کا قیدی بنایا یعنی جو لوگ عشق سے خالی ہیں، انہوں نے جبر کا معنی "مجبورِ محض" سمجھ لیا۔ یہ تو مطلق ذات اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہے۔

یوں سمجھ کہ صدفوں میں قطرے گوہر ہیں۔ باہر وہ چھوٹے اور بڑے قطرے ہیں لیکن صدف میں وہ چھوٹے اور بڑے موتی ہیں۔

اس قوم کی طبیعت ہرن کا نافہ ہے۔

### ایک چپ —؟

دو آدمی بھرے بازار میں لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو سخت القاب سے نواز رہے تھے۔ ایک نے کہا، او شیطان! اگر تو ایک کہے گا تو دس سنے گا۔ مولانا رومؒ کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ قریب گئے اور فرمایا، بھائی! جو کہنا ہے، مجھے کہہ دو— اگر تم ہزار کہو گے تو جواب میں میری طرف سے ایک بھی نہ سنو گے۔

دونوں شرمندہ ہوگئے اور مولانا رومؒ کے احترام میں صلح کر لی۔

یہ باہر خون اور اندر مشک ہے۔

تو نہ کہہ کہ تانبا باہر ناچیز تھا، اکسیر کے دل میں پہنچ کر سونا کیسے بن گیا؟

اختیار اور جبر تجھ میں ایک خیال تھا۔ جب اُن میں پہنچا تو نورِ جلال بن گیا یعنی عوام میں جبر کے معنی ایک خیال ہیں لیکن عارفین میں یہ نور بن جاتا ہے۔ روٹی جب تک دسترخوان پر موجود ہے، بے روح ہے۔ جسم میں ہشاش بشاش روح بن جاتی ہے— اسے حرکت میں لے آتی ہے۔ اگر زبان چھپے راز کہہ دے تو آگ لگا دے (اور) اس جہان کو جلا دے۔

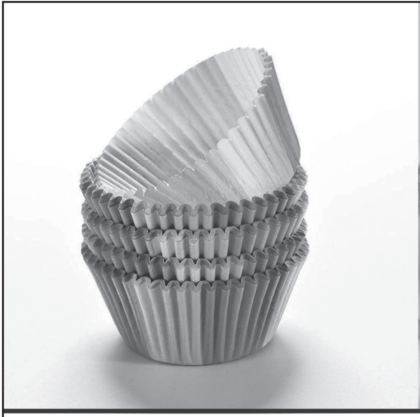

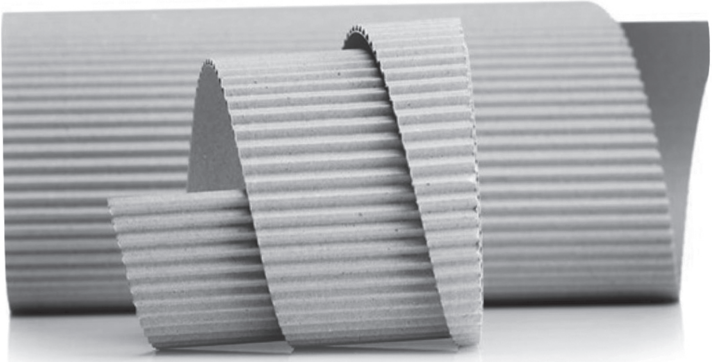

**Manufacturer of**
**Liner & Floating Paper**

# PRIME PACK INDUSTRIES

**C-21, S.I.T.E, Hyderabad**
**Tel: 022-3880627**
**Fax: 022-3880381**

# اقتباسات

"ماہنامہ قلندر شعور" کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

---

انبیاء کرام علیہم السلام نے ایسی دوائیں بنائیں جن تک اکابر اطبّا کی نگاہ بھی نہ پہنچی۔ لوگوں نے انہیں استعمال کیا اور ان سے شفا پائی۔ چناں چہ ادویہ قلبیہ، ادویہ روحانی، قوتِ قلب، اللہ پر بھروسا، اللہ سے سب کچھ مانگنا، اللہ کے سامنے عاجزی کا اقرار، اپنی بے کسی کا اظہار، بے چارگی کا بیان، صدقہ، دعا، توبہ استغفار، مخلوق کے ساتھ بھلائی، دردمندوں کی فریاد رسی، مصیبت زدگان کی فریادرسی، یہ سارا طریقِ علاج خود مذہبِ اسلام اور دنیا کے دوسرے مذاہب اور ملّتوں کے متبعین (اتباع کرنے والے) نے بار بار آزمایا اور اس میں شفا کا وہ انداز، تاثیر کی وہ تیزی انہیں نظر آئی کہ دنیا کے بڑے سے بڑے تجربہ کار اور حاذق طبیب اس تک نہ پہنچ سکے۔ (مرسلہ: عبدالاحد۔ سرگودھا، کتاب: طبِ نبویؐ)

طارق بن زیاد اندلس کی فتح کے دوران آبنائے جبل الطارق کے وسط میں تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہوئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ خاتم النبیین حضرت محمدؐ اس سے فرماتے ہیں، "تمہارے ہاتھ پر اندلس فتح ہوگا۔" اس کے بعد طارق کی فوراً آنکھ کھل گئی اور اسے اپنی فتح کا کامل یقین ہوگیا۔ طارق کو اپنے خواب پر ایسا کامل یقین تھا کہ اس نے جہازوں کو غرق کر کے اپنے ہمراہیوں کو بتادیا کہ واپس جانے کا اب کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا، ہمارے پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن کا وسیع ملک ہے ——— ہم جس قدر چستی، ہمت اور جفاکشی سے کام لیں گے، ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ سستی، پست ہمتی اور تن آسانی کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ (مرسلہ: عاطف نذیر، اسلام آباد، کتاب: تاریخِ اسلام)

آدمی جو کچھ کھاتا ہے، وہ دراصل روشنیاں کھاتا ہے یعنی جس طرح آدمی کا مادی وجود یا گوشت پوست کا بنا ہوا آدمی روشنیوں کے اوپر زندہ ہے، اُسی طرح گیہوں میں بھی روشنیاں کام کررہی ہیں۔ براہِ راست طرز میں اس بات کو اس طرح کہا جائے گا کہ روشنی، روشنی کو کھا رہی ہے۔ انسان کے اوپر روشنیوں کا بنا ہوا اصل انسان روشیوں سے feed ہورہا ہے اور روشنیوں سے انرجی (energy) حاصل کررہا ہے۔ (مرسلہ: ماریہ جاوید۔ ابوظہبی، کتاب: پیراسائیکالوجی)

صوفی اور سائنس دان میں اتنی طویل ہم سفری کے باوجود اور ایک ہی منزل کی کھوج میں بڑھنے کے باوصف جو ایک نمایاں فرق ہے، وہ یہ ہے کہ تصوف میں زندگی کا چلن ہی علم کا مظہر بن جاتا ہے اور حسیات سے ماورا تجربات میں سے گزرنے والا فرد سارے کا سارا تغیر و تبدیل ہو جاتا ہے لیکن سائنس دان ان ماورائی واردات سے متاثر نہیں ہوتا اور ایک معروضی انداز میں ویسے کا ویسا کھڑا رہ جاتا ہے۔ (مرسلہ: رابعہ۔ لاہور، کتاب: من چلے کا سودا)

مبارک ہو! بورڈ کے ایک طالب علم نے سو میں سے 120 نمبر لے کر نہ صرف بورڈ بلکہ پورے برِاعظم میں اول پوزیشن حاصل کی ہے۔ یہ تو برا ہوا کہ لڑکے نے جس پرچے میں اتنے اچھے نمبر حاصل کئے، وہ دیا ہی نہیں تھا ورنہ اگر دیا ہوتا تو ممکن ہے، وہ سو میں سے دوسو نمبر حاصل کرلیتا۔ ہمارے خیال میں اتنے نمبر لینے والا جن کا لڑکا ہے، وہ کمال کے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ لوگ اس پر بھی اعتراض کریں کہ ہم نے اسے "جن" کا لڑکا لکھا ہے۔ (مرسلہ: صائمہ۔ کراچی، کتاب: عکس برعکس)

(قارئین! آپ کیا سمجھے؟)

وقت کے بارے میں انسان کو علم ہو جائے تو اس کے اوپر علم کے ایسے دروازے کھل جاتے ہیں جن میں سے وہ کسی ایک دروازے میں داخل ہوکر یہ معلوم کرلیتا ہے کہ انسان آتا کہاں سے ہے اور کہاں چلا جاتا ہے۔ جب کوئی بندہ تخلیقی راز سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ اپنا عرفان حاصل کرلیتا ہے۔ عرفان انسان کو خالقِ کائنات سے قریب کرتا ہے۔ (مرسلہ: مریم ابراہیم۔ خانیوال، کتاب: وقت؟)

محمد عدنان خان

# کورشِ اعظم

زمانیت کی بے رنگی سے طلوع ہونے والی مکانیت کے طول و عرض پر پھیلی ایک ایسے سرخیل رَزم و بزم طلسم کی داستان جس کے قدموں کی دھمک سے زمین لرزہ براندام تھی اور جس کے نام کا کواکب میں شہرہ تھا۔

---

<u>گزشتہ اقساط کا خلاصہ:</u> قدیم سلطنت فارس کی ابتدا موجودہ ایران کے قدیم علاقے انشان سے ہوئی جس کا حکمران کمبائسس تھا۔ وہ مدائن (میڈیا) کے بادشاہ استغیز کا داماد تھا۔ کمبائسس اور شہزادی منڈانہ شادی کے کئی سال تک بے اولاد تھے۔ ایک شب منڈانہ نے خواب دیکھا جس کی تعبیر بادشاہ کے لئے پریشان کُن تھی۔ اس نے وزیر ہاراپاگس کی مدد سے بچے کو مارنے کا منصوبہ بنایا۔ شاہی چرواہے میتھرابیٹس اور اس کی طبیبہ بہن کو جبراً ذمہ داری سونپی گئی۔ قدرت کو بچے کی حفاظت منظور تھی۔ جس روز شہزادی کے ہاں ولادت ہوئی، اسی روز چرواہے کے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ طبیبہ نے بچہ تبدیل کر کے بھائی کو دے دیا۔ بچے کا نام کورش رکھا گیا۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ ایک روز شاہی لڑکوں نے اس کی بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا۔ اس نے انہیں مار بھگایا اور بعد میں گرفتاری دے دی۔ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو استغیز اس کے نقوش دیکھ کر چونک گیا۔ کورش کی حقیقت معلوم ہونے پر بادشاہ کی نیند اڑ گئی۔ مارنے کی کوشش کی تو وہ زندان سے فرار ہوگیا۔ ملکہ اور منڈانہ کو حقیقت معلوم ہوگئی تھی۔ انشان واپس جاتے ہوئے ماں کو بچھڑا ہوا بیٹا مل گیا۔ وہ اسے انشان لے آئی۔ کورش اور مدائن کے بادشاہ استغیز کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا۔ اب آگے پڑھئے۔

---

کورش کی فتح پر ریاستِ مدائن میں مایوسی پھیل چکی تھی۔ وہ جیسے ہی اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر میدان سے نکلا، افرند نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ فتح کے بعد کورش میدان میں کیوں نہیں رکا۔ وہ لڑائی سے گریز کرتا تھا اور خود نمائی پسند نہیں تھی۔ یہ مقابلہ اپنے لوگوں کا خوف دور کرنے اور مدائن پر اعصابی برتری حاصل کرنے کے لئے تھا۔ تیز دوڑنے سے گھوڑی کی سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ کورش کو احساس ہوا تو درختوں کی قطاریں نظر

آتے ہی ان کی چھاؤں میں رک گیا تا کہ جانور کچھ دیر سستا لے۔

تھوڑی دیر میں افرند بھی پہنچ گیا، اس نے آتے ہی کورش کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا، تم کس مٹی سے بنے ہو—؟ یہ کیا راز ہے جو میری فہم میں نہیں آتا؟ میرے علم کے مطابق مثقال فیل گوش کو ہلاک نہیں ہونا تھا۔

کورش درخت سے پشت لگائے نیم وا آنکھوں سے نہ جانے کیا دیکھ رہا تھا کہ دوست کی بات پر مسکرایا اور جو کہا، اس کے مفہوم پر یہ اشعار صادق آتے ہیں۔

ترا یک نکتہ سربستہ گویم
اگر درسِ حیات از من بگیری
بمیری گر بہ تن جانی نداری
وگر جانی بہ تن داری نمیری

ترجمہ: تو مجھ سے زندگی کا سبق لینا چاہتا ہے تو ایک ایسا نکتہ بیان کرتا ہوں جو سربستہ راز ہے۔ اگر تیرا باطن عشقِ الٰہی سے سرشار نہیں ہے تو یہ موت ہے۔ اگر باطن عشقِ الٰہی میں ڈوبا ہوا ہے تو تیری فنا، بقا ہے۔

اس کے بعد ان کے درمیان گفتگو نہیں ہوئی۔

دونوں دیر تک خاموش رہے۔ تماش بینوں کے قافلے مقابلے کا انجام دیکھ کر سمیروم کے میدان سے نکل رہے تھے۔ قافلوں کا خیال آتے ہی افرند نے کورش کا ہاتھ ہلایا، وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنی رہائش گاہ کا رخ کیا۔

مدائن کے سپاہیوں میں مایوسی پھیل چکی تھی۔ ان میں سے اکثر پہلے ہی کورش کے سامنے خود کو شکستہ محسوس کر رہے تھے، مثقال فیل گوش کی موت نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ دل میں کورش کا خوف بیٹھ گیا تھا۔ جس شجاعت سے وہ لڑا تھا، اس میں سمجھ دار کے لئے اشارہ تھا۔ اس نے اپنے سے زیادہ وزنی اور لحیم شحیم دشمن کو محض چند ثانیوں میں موت کی طرف دھکیل دیا تھا۔ پہلے سنا تھا، اب دیکھ بھی لیا کہ ریاست انشان کا ولی عہد اور مدائن کے بادشاہ استغیز کا نواسہ کوئی عام فرد نہیں اور نہ اسے روایتی طریقوں سے شکست دی جا سکتی ہے۔ جہاں ان سب کی سوچ ختم ہوتی تھی، وہاں سے کورش کی سوچ شروع ہوتی تھی مگر یہ بات اب تک بادشاہ استغیز کی سمجھ میں نہیں آئی تھی یا پھر وہ جان گیا تھا لیکن انا آڑے آگئی تھی اور

پھر بات اقتدار کی تھی۔ اندر ہی اندر وہ کورش سے خائف تھا۔ زندان سے فرار ہونے کے بعد کورش اور اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اقتدار کے اندھے بادشاہ سلامت کو کون سمجھاتا کہ دنیا کا تخت و تاج ساری عمر نہیں رہتا اور پھر جانشین تو اسے خاندان میں مل گیا تھا۔ جو شخص بادشاہ کو سمجھا سکتا تھا، وہ بیٹے کی ناگہانی موت کی وجہ سے بادشاہ سے متنفر ہو چکا تھا۔

ملکہ نے استغیز کی ذہنی حالت پر صبر کرلیا تھا کہ پتھر سے کون سر ٹکرائے اور لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ استغیز کے سر میں کورش کو مٹانے کا سودا سمایا ہوا تھا جو تباہی کی طرف دھکیل رہا تھا۔ مدائن جیسی عظیم سلطنت، چھوٹی جاگیر انشان کے سامنے گھٹنوں پر آگئی تھی۔ کوئی حملہ، سازش اور حکمتِ عملی انشان کو زیر کرنے میں ناکام تھی۔ ذہنی الجھن اور ناکامیوں کا دباؤ صحیح قدم کے راستے میں رکاوٹ تھا۔ ناکامی نے طول پکڑا۔ مدائن کی سلطنت کمزور ہوتی گئی اور انشان طاقتور ریاست بن گئی۔

مدائن نے کورجل کے مقام پر شکست تسلیم کی تھی جس کے بعد اس کے سالاروں کی ہمت نہ ہوئی کہ بڑا حملہ کرتے۔ چھوٹی موٹی جھڑپ ہوتی رہی — تین سال گزر گئے۔

ریاستِ انشان اب دفاعی پوزیشن سے نکل کر حملہ کرنے کی استعداد رکھتی تھی۔ کورش کی صحت اچھی ہوگئی تھی۔ رنگ روپ نکھر آیا تھا۔ دیکھنے والا گرویدہ ہوجاتا۔ وہ گھنٹوں پہلوانوں جیسی کسرت کرتا۔

انشان کے سالار ذہانت اور قوت میں مثال تھے۔ ان کا انتخاب اور تربیت خود کورش نے کی تھی۔ کورش کی اٹھان سب میں الگ تھی۔ جتنی دیر تک وزنی تلوار اٹھا کر مشقیں کرتا تھا، کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔

کمبائسس اور منڈانہ کبھی کبھی بیٹے کی شخصیت میں چھپے اسرار ظاہر ہونے پر حیران ہوجاتے۔ انہیں لگتا، کورش کسی اور دنیا کا فرد ہے۔ کبھی وہ انہیں سخت گیر حاکم نظر آتا تو کبھی ریشم کی طرح نرم۔ یہ اُس کے مزاج کا تغیر نہ تھا بلکہ وہ حالات کے مطابق ڈھلنے کا ہنر جانتا تھا۔ نفع و نقصان سے حاصل خوشی اور غم سے آزاد اور بے خوف تھا۔ سخی ایسا کہ جان دینے سے دریغ نہ کرے۔ منصف ایسا کہ جان لینے سے گریز نہ کرے۔ وہ دنیا کو کسی اور نگاہ سے دیکھتا تھا۔

ز خوب و زشت تو نا آشنا یم
عیارش کردہ ئی سود و زیان را
درین محفل ز من تنہا تری نیست
بہ چشمِ دیگری بینم جہان را

ترجمہ: میں تیرے برے بھلے سے انجان ہوں۔ تو نے (دنیاوی) فائدے اور نقصان کو کسوٹی بنا رکھا ہے۔ اس محفلِ جہاں میں مجھ سا تنہا کوئی نہیں کیوں کہ میں اس جہاں کو اور نظر سے دیکھتا ہوں۔

ایک دور ایسا آیا جب کورش پر استغراق کا غلبہ ہونے لگا۔ وجود ثقل سے آزاد محسوس ہوتا۔ سخت نظر آنے والی دیوار اس کے لئے نرم ہو جاتی۔ محل کے اونچے ستون ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر غائب ہو جاتے۔ بے ستون چھت اور اس کے درمیان اسپیس سمٹ جاتی اور چھت ارادے کے تابع ہو کر کبھی قریب آتی، کبھی دور چلی جاتی۔ اشیا کا کھوکھلا پن آشکار ہوا۔ بسا اوقات صحرا کی تپتی ریت پر برہنہ پا نکل جاتا۔ جس ریت پر چلنا آگ پر چلنے کے مترادف تھا، اس پر حالتِ جذب میں چلتا۔

افرند دوست کی کیفیت سے واقف تھا، کچھ کہے بغیر دور سے اُسے دیکھا کرتا۔ منڈانہ اور کمبائسس پہلے پریشان پھر دیکھ کر مطمئن ہوئے کہ وہ خود اس کیفیت سے باہر آجاتا ہے۔

کورش کے سرہانے سے اب بھی کبھی کبھی قیمتی تحفے ملتے جو کسی اور زمین کے لگتے تھے۔ والدین تحفوں کے حوالے سے پوچھتے تو یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ تحفے ان دوستوں کی جانب سے ہیں جنہیں آپ نہیں جانتے۔

مدائن سے سرحدی جھڑپیں کم ہو گئی تھیں مگر کورش فوج کو چوکنّا رکھتا تھا۔ یہ سکون مختصر عرصے کے لئے تھا۔

ایک روز کمبائسس کو وزیرِ خاص ہاراپاگس کی جانب سے خفیہ پیغام موصول ہوا کہ مدائن کی فوج حتمی اور فیصلہ کن حملے کی تیاری کر رہی ہے۔ کمبائسس نے کورش اور افرند کو اطلاع دی تو کورش نے فوری طور پر بابل سے رابطہ کر کے معاہدے کی ذمہ داری کمبائسس کو سونپ دی کہ بابل کے حکمران سے دو میں سے کسی ایک پر معاہدہ کر لیا جائے۔

① جنگ میں بابل ہماری مدد کرے۔
② مدد نہ کرنا چاہے تو غیر جانب دار رہے۔

کمبائسس اس حکمتِ عملی سے متفق تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اُن دنوں بابل اور مدائن کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ کورش کو اندازہ تھا کہ بابل دونوں میں سے ایک تجویز قبول کرلے گا لیکن مسئلہ معاملے کو خفیہ رکھنے کا تھا۔

کورش کے دوست افرند کا تعلق اخمینی قبیلے سے تھا۔ بابل کے حکمرانوں میں اخمینی قبیلے کا اثر و رسوخ تھا۔ کمبائسس چاہتا تھا کہ افرند اور اس کی بہن گلزند اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے پیغام رسانی کا کام سرانجام دیں۔

افرند، کورش کا سچا اور کھرا دوست تھا اور خوش تھا کہ وہ یہ کام اپنی بہن کے ساتھ مل کر سرانجام دے سکتا تھا۔ دونوں نے بظاہر عزیز رشتے داروں اور قبیلے کے لوگوں سے ملاقات کے لئے رختِ سفر باندھا۔ بابل کی حکومت جو خود بھی اندرونی خلفشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی، وہاں کے بادشاہ نیبونائڈس تک پہنچنے میں بہن بھائی کو زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔

کمبائسس کا مکتوب دیکھ کر بادشاہ نیبونائڈس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔ اس نے افرند اور گلزند کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا اور مکتوب کا جلد جواب دینے کا عندیہ دیا۔

بابل کا حکمران نیبونائڈس مدائن جیسی بڑی سلطنت سے تعلقات خراب کرنا نہیں چاہتا تھا، اس نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا۔ کورش کے لئے یہ بھی بہت تھا۔ وہ بابل کی طرف سے مطمئن ہوگیا اور توجہ مدائن کی جانب مرکوز کردی۔ ویسے جغرافیائی لحاظ سے انشان کو بابل سے اتنا خطرہ نہیں تھا۔

افرند اور گلزند واپس آگئے تھے۔ نیبونائڈس نے کمبائسس اور کورش کو بابل میں منعقد ہونے والے سامانِ حرب کے مقابلوں میں شرکت کی دعوت بھیجی تھی جو قبول کرلی گئی۔ یہ بابل کی طرف سے خیرسگالی کی کوشش تھی۔ انشان کا شاہی وفد مع محافظ دستے کے نمائش سے ایک روز پہلے بابل پہنچ گیا۔

کورش ہجوم میں سفید ململ نما کپڑے کو پگڑی کی طرح سر پر لپیٹ لیتا اور کپڑے کے دوسرے سرے سے آدھا چہرہ چھپائے رکھتا۔ جہاں جاتا، لوگ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے تھے جس سے الجھن ہوتی تھی۔ چہرے کے گرد سفید کپڑے کی وجہ سے چہرے کی دلکشی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

وہ بابل کی سرزمین پر پہلی مرتبہ آیا تھا۔ یہ لارسا کا علاقہ تھا جو موجودہ دور میں "بصرہ" کہلاتا ہے۔ اُس دور میں یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں کی زمین دریائے ٹگرس سے سیراب ہوتی تھی۔ موجودہ دور میں اسے "شطّ العرب" یعنی "عرب کا دریا" بھی کہتے ہیں۔

کورش کو لارسا بہت پسند آیا۔ وہ شاہی مہمان خانے سے نکلا تو دھوپ کی روپہلی کرنوں اور ماحول میں جنگلی گلِ ادریسی (Hydrangea) کی بھینی بھینی خوش بو نے عجب کیفیت طاری کردی۔ وہ بے فکری سے ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا اور نہ جانے کہاں جا کر بیٹھ گیا۔ نگاہیں فلک کے دبیز پردے کے پار کہیں جمی ہوئی تھیں۔

فروغ او بہ بزمِ باغ و راغ است
گل از صہبائی او روشن ایاغ است

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا نور باغ و صحرا میں پھیلا ہوا ہے۔ پھول اس کی محبت کے جام کی وجہ سے روشن ساغر ہے۔

افرند فکرمندی سے کورش کے پیچھے گیا۔ وہ اس کی تنہائی میں مخل ہونا نہیں چاہتا تھا مگر یہ ان کی ریاست نہیں تھی۔ جگہ جگہ سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے۔ وہ کورش کو دیکھ رہا تھا اور کورش کی نظریں فلک پر تھیں۔

چسان ای آفتابِ آسمان گرد
باین دوری بہ چشم آسمان گرد

ترجمہ: اے آسمان پر گردش کرنے والے آفتاب! تو اتنا دور ہے لیکن دوری کے باوجود آنکھ تیرا احاطہ کرلیتی ہے۔

بہ خاکی واصل واز خاک دان دور
تو ای مژگان گُسلِ آخر کجائی

ترجمہ: تو آدم سے منسلک ہے اور دنیا سے دور بھی۔ اے آنکھیں چندھیا دینے والے! تو آخر کہاں ہے؟

افرند کی توجہ کورش پر مرکوز ہوئی تو محسوس ہوا جیسے کورش کے جذبات کا عکس اس کے دل پر پڑ رہا ہو۔ کرنٹ کی ایک رَو جسم میں سے گزر گئی ہو۔ وہ کھڑا نہ رہ سکا اور گر گیا۔ گرنے کی آواز سے کورش کا ارتکاز ٹوٹا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دوست کو کھڑے ہونے کے لئے سہارا دیا۔ کورش کی آنکھوں کی سفیدی میں موجود سرخ ڈوروں کی تاب نہ لاتے ہوئے افرند نے پوچھا، تم کون ہو؟ (قسط:۱۶)

# DEFENCE
## 3D - OPG - CEPH

**3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM**

KARACHI

# 3D

*Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.*

Maxillofacial

Implant Planning

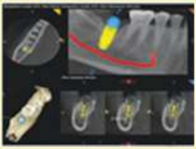

OPG

CEPH

***Take Your Practice to the Next Level !***

**Defence branch:**
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

**Sharfabad branch:**
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

# ONLINE COACHING

**From class 9th to BSc**

**Tania Riaz**

*Qualification:*

**BSc in Double Maths & Physics**

*Experience:*

**6 Years of experience in Teaching**

**Subjects to Teach**

- Mathematics
- Physics
- Computer

More Info

GMAIL
taniariaz551@gmail.com

Call us
+92 332 8875 840

# A GREAT PLACE TO LEARN ONLINE

## 5th to Msc for all subject

- One paper preparation
- General Knowledge

Enrol Now

More Info

GMAIL
azka.info94@gmail.com

Call us :
+92 300 1208419

اظہر حسین

# السلام علیکم

زمین اپنے مدار میں تقریباً 1,670 کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے حرکت کرتے ہوئے سورج کے گرد ایک لاکھ کلو میٹر فی گھنٹے سے زائد رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جتنی دیر میں آدمی السلام علیکم کہتا ہے، زمین 30 کلو میٹر فی سیکنڈ سے زیادہ سفر کر لیتی ہے۔

---

چائے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چائے ہو تو لب ریز ہو، لب سوز ہو اور لب دوز ہو یعنی پیالی اوپر تک بھری ہو، گرم اتنی کہ ہونٹ جل جائیں اور میٹھی ایسی کہ ہونٹ سل جائیں۔ اس طرح کی چائے سامنے آتی ہے تو اس میں سے نکلتی ہوئی بھاپ چائے کے لب سوز ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ چائے کے رسیا سے سوال کیا جائے کہ بھاپ کہاں سے اٹھتی ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ چائے کے کپ میں سے۔

بھاپ گرمی کا پتہ دیتی ہے۔ یہ جملہ ظاہری اعتبار سے درست مگر تکنیکی اعتبار سے غلط ہے۔ بھاپ نکلنے کا مطلب ہے کہ شے گرم ہے۔ یہ ظاہری پہلو ہے مگر بھاپ اٹھنے کی وجہ تکنیکی ہے جس کا ذکر اگلی سطروں میں ہے۔

امیر آدمی کے دوست تب تک آس پاس رہتے ہیں جب تک جیب میں پیسے ہیں اور وہ دوستوں پر پیسے نچھاور کرتا ہے۔ غربت آتے ہی مفاد پرست دوست غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گرم شے گرم رہتی ہے جب تک اس کے اندر گرمی کی صورت میں حرارت رہے۔ جیسے ہی وہ ماحول سے ربط میں آتی ہے، ماحول میں کم گرم ہوا شے کی زیادہ گرمی لے کر اسے ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ یوں چائے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ یہ قانون ٹھنڈی چیزوں کے لئے بھی ہے۔ ٹھنڈی چیز کے دوسرے ماحول سے ربط میں آتے ہی ٹھنڈک غائب ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شے توازن پر قائم ہے اور توازن بگڑتے ہی شے اصل کی طرف لوٹتی

ہے۔ بھاپ اٹھتی ہوئی نظر آنا علامت ہے کہ کپ میں چائے اپنی اصل کی طرف جانے کے لئے تغیر سے گزر رہی ہے۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک چائے ماحول کے برابر ٹھنڈ اختیار نہ کر لے۔

تغیر بھی توازن کا پابند ہے۔ تغیر کے توازن میں کمی بیشی ہو جائے تو نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ گیلے کپڑوں کو خشک نہ کیا جائے تو وہ سڑاند سے ختم ہو جائیں گے۔ قطبین کے علاوہ زمین کے تمام حصوں پر ایک وقت میں سردی ہوتی ہے اور نہ گرمی۔ پاکستان کے اسکولوں میں جب گرمی کی چھٹیاں ہوتی ہیں تو 9,230 کلومیٹر دور آسٹریلیا میں سردیاں شروع ہوتی ہیں۔ پاکستان کی سردیوں میں آسٹریلیا گرمی کی لپیٹ میں ہوتا ہے۔ ہوا کا سفر، پانی کی لہریں، بادلوں کا بننا سب توازن کے قانون کے زیرِ اثر کام کر رہے ہیں۔

تغیر دراصل حرکت ہے۔ حرکت تبدیلی کی مرہونِ منت ہے۔ گاڑی میں ایندھن جلنے سے توانائی نہ بنے تو انجن بے حرکت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرکت اور تغیر لازم و ملزوم ہیں۔

یہاں سے اُس صوفی کی بات سمجھنا آسان ہو جاتی ہے جو دریا کنارے رہتا تھا اور کئی بار دریا پار کرتا تھا۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

"ایک صوفی نے کہا تھا کہ جس دریا کو میں نے زندگی میں ایک مرتبہ پار کیا ہے، اس دریا کو زندگی میں پھر کبھی پار نہیں کیا حالاں کہ وہ دریا کنارے رہتا تھا اور دن میں کئی مرتبہ اسے پار کرتا تھا۔ وہ حقیقت میں اس بات کو کچھ حد تک ضرور سمجھتا تھا کہ سیکنڈ کے ہر حصے میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور واقع ہو جاتی ہے۔ آدمی کی نظر اس تبدیلی کو سوچنے اور سمجھنے سے قاصر ہے۔"

(کتاب: قدرت کی اسپیس)

مادی دنیا مسلسل تغیر پذیر ہے۔ یہاں ہر لمحہ کچھ ظاہر ہوتا ہے اور کچھ غائب ہوتا ہے۔ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اس واقعے میں ہمہ گیر قانون کی طرف متوجہ کیا ہے۔ صوفی نے ایک نظر آنے والے دریا کو دوبار پار نہیں کیا کیوں کہ دریا ہمہ وقت تغیر سے گزرتا ہے اور تغیر سے گزرنے کے بعد پہلی حالت میں نہیں رہتا۔ اس راز کی تفصیل میں جانے سے کائناتی قوانین کا انکشاف ہوتا ہے۔

نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھئے۔

بے شمار ستارے نظر آتے ہیں۔ کراچی سے سمندر کی طرف کچھ دیر رات میں کشتی سے سفر کیا جائے تو ہماری کہکشاں نظر آتی ہے۔ جس طرح زمین سورج کے گرد سفر کرتی ہے، سورج بھی اپنے مدار میں حرکت میں ہے۔ سورج کی حرکت اس وجہ سے ہے کہ کہکشاں حرکت میں ہے۔ ماہرینِ فلکیات کہتے ہیں کہ کہکشاؤں کے کئی جھرمٹ ہیں۔ ہر جھرمٹ سفر میں ہے۔

تحقیق و تلاش (سائنس) کے مطابق زمین اپنے مدار میں لگ بھگ 1,670 کلومیٹر فی گھنٹے (0.46 کلومیٹر فی سیکنڈ) کی رفتار سے حرکت کرتے ہوئے سورج کے گرد ایک لاکھ کلومیٹر فی گھنٹے (30 کلومیٹر فی سیکنڈ) سے زائد رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ یہ اعداد و شمار اندازہ ہیں لیکن ان کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جتنی دیر میں آدمی السلام علیکم کہتا ہے، زمین 30 کلومیٹر فی سیکنڈ سے زیادہ سفر طے کر لیتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ فرد جب ایک قدم اٹھا کر دوسرا قدم رکھتا ہے تو نظامِ شمسی کے مطابق یہ قدم 30 کلومیٹر فی سیکنڈ کی اسپیس سے بڑا ہے۔ ابھی صرف زمین کی حرکت زیرِ بحث ہے ورنہ کہکشاؤں کے جھرمٹ اور سورج سمیت ہر شے سفر میں ہے۔

صوفی کا یہ کہنا کہ میں نے دریا ایک سے زیادہ بار پار نہیں کیا، ایک اور زاویے سے سمجھتے ہیں۔ پانی کی خصوصیت بہنا ہے۔ اس کو پیالوں کی مثال سے سمجھا جائے تو بہت سارے پیالے قطار میں بہہ رہے ہیں۔ پیاسا ایک پیالے سے پانی لیتا ہے، دوسرے پیالے تک ہاتھ جاتا ہے تو اتنی دیر میں سامنے سے کئی پیالے گزر جاتے ہیں۔ جیسے پیالہ نمبر ایک سے پانی اٹھایا تو اتنے میں پیالہ نمبر دو، تین اور چار گزر گئے۔ دوبارہ پانی لینے کے لئے پیالہ نمبر پانچ سامنے ہے۔ اس طریقے پر دریا کا پانی مسلسل حرکت کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ دریا پانی کے بہاؤ کا نام ہے اور مسلسل رواں ہے۔ فرد اُس پار جا کر واپس اِس پار آتا ہے تو دریا نئی حالت میں ہوتا ہے۔

قارئین! دریا کی زندگی کے بارے میں ایک فارمولا بیان کیا گیا ہے۔ یکسوئی کے ساتھ سوچئے اور ادارہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو لکھئے

کہ آپ کیا سمجھے۔ ادارہ پابند ہے کہ قارئین کو یہ معمہّ سمجھائے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ صرف دریا نہیں بدلا، آدمی بدل گیا ہے۔ دریا کی ایک موج اور آدمی کے ایک دن یا ایک لمحے میں کیا فرق ہوا—؟ آدمی ہر لحہ تغیر سے دوچار ہے، اسے یہ تب محسوس ہوتا ہے جب درمیان میں ایک خاص وقفہ آجاتا ہے۔

ماہرینِ جلد کہتے ہیں کہ آدمی کی مکمل کھال ایک مہینے (30 یا 31 دن) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جب فرد، جگہ، ماحول اور حالات سب کچھ بدل رہا ہے تو دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اسے کیا کہا جائے گا؟

تعارف ایک لفظ سے ہوتا ہے—الوژن۔

الوژن کا مطلب فریبِ نظر ہے۔

دیکھنا کہ شے ہے پھر دیکھنا کہ نہیں ہے۔

یہ سائیکل خود کو انتہائی تیز رفتار سے دہراتا ہے کہ نہ ہونے پر ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

کوئی شے اپنی حالت پر قائم نہ رہے تو کیا وہ موجود ہے؟ پھر جو کچھ موجود ہے، وہ کیا ہے؟

دنیا میں کسی شے کو ثبات نہیں ہے۔

خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

”ہر چیز جو اس زمین پر ہے، فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی ذات باقی رہنے والی ہے۔“ (الرحمٰن : ۲۶۔۲۷)

ثبات صرف ایک ہستی کو ہے جو خالق، قادر اور مالک ہے۔ سبق یہ ہے کہ جنت سے نکلنے کی وجہ الوژن (illusion) کے قریب جانا تھا جس سے حقیقی نظر پردے میں چلی گئی اور طرزِ فکر الوژن سے متاثر ہوگئی۔ ہم دنیا کو الوژن کی نظر سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا الوژن ہے، دنیا الوژن نہیں ہے۔

صوفی کی نگاہ نے تغیر کو محسوس کر لیا اور تغیر کے فریب میں گرفتار ہو کر اسے حقیقی نہیں سمجھا بلکہ علی الاعلان کہا کہ جس دریا کو میں نے ایک بار پار کیا، دوبارہ نہیں کیا۔

اس میں جہاں ایک اشارہ دریا کی طرف ہے، وہاں دوسرا اشارہ خود اپنی طرف بھی ہے یعنی دریا کو دوبارہ پار کرتے ہوئے میں وہ نہیں رہا جو پہلی مرتبہ دریا کو پار کرتے ہوئے تھا۔

قارئین! اوپر کی چار سطریں غور سے پڑھیے اور لکھ کر ادارہ کو بتایئے کہ آپ کیا سمجھے؟

نفیسہ شاکر

# سنا ہے ہمیں وہ بھلانے لگے ہیں

**اگر آپ تلخ یادوں کو بھولنا چاہتے ہیں تو انفرادی سوچ ترک کر کے اجتماعیت میں داخل ہوں جہاں کوئی شے کھوتی ہے نہ ملتی ہے، ہر شے اپنی جگہ موجود رہتی ہے۔**

---

یادیں عذابِ جان ہیں اور راحتِ جان بھی۔

ناگوار ہیں اور خوش گوار بھی۔

تلخ ہیں اور شیریں بھی۔

شیریں یادیں جینے کا سہارا ہیں۔

تلخ یادیں جینا سکھا دیتی ہیں۔

پرانی تصویریں دھندلی ہونے کے باوجود اپنی جگہ پر موجود رہتی ہیں، اسی طرح یادیں وقت کی چھاؤں میں بستی ہیں۔ کوئی خاص لمحہ یاد آتا ہے تو اس لمحے کے احساسات ہمارے لئے زندہ ہو جاتے ہیں ورنہ وہ کسی اور دنیا میں جیتے ہیں۔

یادوں کی دنیا گہری ہے لیکن ہم ان کو اپنی خواہشات تک محدود کر دیتے ہیں۔ اللہ نے کوئی نظام بے مقصد نہیں بنایا۔ ہر چھوٹی بڑی شے کے پیچھے لامحدود پروگرام ہے جس کے تانے بانے کائناتی شعور سے ملتے ہیں۔

قلندر شعور کہتا ہے کہ ہر لمحہ ایک یاد ہے اور یاددہانی کے طور پر زندگی میں داخل ہوتا ہے۔

جب اطلاع حواس کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے، وہ ”قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔“ کی تفسیر بن کر ماضی کی یاد لے کر آتی ہے۔ جو کچھ ہے، ہو چکا ہے اور ہو گا، وہ ”کُن“ کے ساتھ وقوع پذیر ہو چکا ہے اور اس کی گونج سے غیب ظاہر غیب کا نظام جاری ہے۔ خیال آتا ہے اور ماضی کے البم میں سے بھولی ہوئی یاد کے احساس کو زندہ کرتا ہے، فرد اس احساس کی تصویر بن کر سمجھتا ہے کہ میں زندگی جی رہا ہوں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ماضی خود کو دہرا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھیں۔ کسی حادثے کے نتیجے میں جب حافظے سے رابطہ ٹوٹتا ہے تو آدمی کو یاد نہیں رہتا کہ وہ کون ہے، نام کیا ہے،

وہ کیا کرتا ہے، تعلیم کتنی ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے لوگ کون ہیں۔ ماں باپ کو بھول جاتا ہے۔ جیسے ہی حافظہ بحال ہوتا ہے، رشتے ناتے اور اپنی حیثیت یاد آجاتی ہے۔

صاحبِ مشاہدہ ہستیاں فرماتی ہیں،

"اطلاع کیا ہے—؟ شے کے ہونے نہ ہونے یعنی یادداشت سے واقفیت کا ذریعہ ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے، قدرت نے اس کا علم ہمارے حافظے میں محفوظ کر دیا ہے۔ لاشعور سے خبر آتی ہے اور ذہن میں محفوظ شے کی یادداشت کو بیدار کرتی ہے۔ ہم یادداشت کی بنیاد پر سنتے ہیں، چیزوں کو دیکھتے ہیں، جذبات محسوس کرتے ہیں اور ان کا اظہار ہوتا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ زندگی حواس پر قائم ہے اور حواس کی ساری کارکردگی یادداشت سے ربط ہے اور یہ ربط اطلاع، تفکر یا فکر کے ذریعے متحرک ہے۔" (آج کی بات۔ اگست 2021ء)

زندگی یاد پر قائم ہے۔ کہیں عمرِ رفتہ کو یاد کیا جاتا ہے اور کہیں اچھی نوید کا انتظار رہتا ہے۔ وقت کسی یاد اور کسی خیال میں گزرتا ہے۔ آپ شاعروں کا کلام دیکھئے۔ اس میں بھی یاد ہے۔

یادوں پر جتنے اشعار ہیں، ان میں خوشیاں کم اور نارسائی کا الم زیادہ ہے۔ افتخارؔ مغل کا شعر ہے،

؎ کسی سبب سے اگر بولتا نہیں ہوں میں
تو یوں نہیں کہ تجھے سوچتا نہیں ہوں میں

خمارؔ بارہ بنکوی نے کہا ہے،

؎ سنا ہے ہمیں وہ بھلانے لگے ہیں
تو کیا ہم انہیں یاد آنے لگے ہیں

ناصرؔ کاظمی کہتے ہیں،

؎ ذرا سی بات سہی، تیرا یاد آجانا
ذرا سی بات بہت دیر تک رلاتی تھی

اور اخترؔ انصاری کا شعر تو زبان زدِ عام ہے۔

؎ یادِ ماضی عذاب ہے یارب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

آخری شعر میں بیان کی گئی کیفیت میں تلخ یادوں سے فرار کے لئے یادداشت کھو جانے کی خواہش کا اظہار ہے۔ یہ انتہائی نوعیت ہے جس کی خواہش بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن وہ اسی حافظے کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور بیمار بھی ہو جاتے ہیں۔ جب ایسی کیفیات علمِ نفسیات کے ماہرین اور طالب علموں کے سامنے آتی ہیں تو ایک طرف ناخوش گوار یادوں کو سلانے کے

لئے ادویہ کا سہارا لیتے ہیں اور دوسری طرف ذہنی کیفیت کو دیکھ کر کوشش کرتے ہیں کہ نفسیاتی مسائل میں مبتلا کرنے والے محرکات بے اثر ہو جائیں۔ کم لوگ اس اثر سے نکلتے ہیں کیوں کہ اس کے لئے فرد کے ساتھ اس کے ماحول میں بھی رویوں کو تبدیل کرنا پڑتا ہے۔

روزمرہ کے تجربات اور بہت سی باتیں جو ہم پڑھتے، سیکھتے، سنتے اور دیکھتے ہیں، ان کا بیشتر حصہ ذہن سے فوراً محو ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھولنا مشکل نہیں ہے۔ اکثر طالبِ علم کہتے ہیں کہ ہم شام کو جو کچھ پڑھتے ہیں، صبح تک بھول جاتے ہیں۔ عام خیال ہے کہ اس طور سے بھول جانے کا سبب پڑھنے اور دہرانے کے دوران خاصا وقفہ حائل ہونا ہے۔

مثال کے طور پر وہ کہانی یاد رہتی ہے جو کل پڑھی تھی بہ نسبت اُس کہانی کے جو 15 سال پہلے پڑھی تھی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک روز قبل پڑھی ہوئی کہانی بھی بھول کے خانے میں چلی جاتی ہے اور برسوں پہلے پڑھی ہوئی کہانی کا پلاٹ یاد رہتا ہے۔ بات کہانی کی نوعیت اور ہمارے رجحان کی ہے۔ یاد کرنے میں دلچسپی اور توجہ کا دخل ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے تلخ یادوں کو بھولنے میں وقت لگتا ہے اور بسا اوقات بھولنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

یاد کرنے کے عمل میں اہم بات یہ ہے کہ اس وقت ذہن میں دوسری باتوں کی موجودگی کی صورتِ حال کیا ہے۔ دماغ یہاں وہاں کی باتوں سے بھرا ہوا ہے یا کسی اور خیال میں اٹکا ہوا ہے تو یاد کئے ہوئے مواد یا کسی واقعے کا حافظے میں نقش بنتا ہے لیکن اس نقش کا شعور سے ربط نہیں رہتا—اسے یاد کرتے ہوئے شعور کسی اور خیال میں مشغول تھا۔

زمانۂ طالبِ علمی میں فرد چاہتا ہے کہ حافظہ قوی ہو تاکہ سنا، پڑھا اور سیکھا ہوا یاد رہے۔ اس کے بعد کی زندگی میں بھولنے کی خواہش تقاضا بنتی ہے کہ فلاں بات یاد نہ رہے اور میں یہ بات بھول جاؤں۔

ناخوش گوار باتیں بھولنے کا طریقہ کیا ہے؟

ماہرینِ نفسیات کہتے ہیں کہ ماضی کو یاد کرنے

والا فرد حال میں اس کے علاوہ جن حالات سے گزرتا ہے، وہ بھی تلخی کو حافظے سے محو کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ فطرت کا نظام ہے۔ فراموشی پرانے نقوش اور تاثرات کے دھندلے ہونے کا نتیجہ ہے لیکن اصل میں یہ پرانے خیالات پر نئے خیالات کا غلبہ ہے جو حافظے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم کسی بات کو اس وقت بھولتے ہیں جب اس کے بعد دیگر کاموں اور دلچسپیوں میں مشغول ہوں اور ان کے متعلق غور و فکر کریں۔

شوہر دہی یا کچھ لینے جاتے ہیں۔ بیوی کہتی ہے کہ بجلی اور گیس کے بل بھر دیں، آخری تاریخ قریب ہے۔ بلوں کی ادائیگی کی یاددہانی دہی لانے کے خیال پر غالب آجاتی ہے اور گھر واپس آتے ہوئے دہی رہ جاتا ہے۔

واضح ہوتا ہے کہ بھولنے کا سبب توجہ ہے اور یاد رہنے کی وجہ بھی یہی ہے۔

بھولنے کا ایک اور مظاہرہ نیند ہے۔ زندگی کا نصف حصہ نیند میں گزرتا ہے اور بیدار ہونے کے بعد نیند کا بڑا حصہ ہم بھول جاتے ہیں۔ وجہ وہی ہے جو سبق یاد کرنے اور بھول جانے میں بیان ہوئی۔ نیند کے دوران جس طرح کی باتیں ہمارے روزمرہ کے معمولات اور دلچسپی سے مناسبت رکھتی ہیں، وہ نیند کے بڑے حصے پر غالب آجاتی ہیں۔ یاد نہیں ہوتا کہ ہم نے اور کیا دیکھا، چند سیکنڈ کے لمحات یاد رہ جاتے ہیں۔

شعور اور لاشعور دونوں زندگی کا حصہ ہیں۔ شعور، لاشعور کے تابع ہے۔ نیند کے واقعات کا بھولنا متوجہ کرتا ہے کہ ہمارا شعور، ہماری سوچ اور طرزِ عمل لاشعوری زندگی سے کتنا دور ہے۔

بات پھر وہاں آتی ہے۔ جس واقعے کو توجہ دی جاتی ہے، اس کا نقش گہرا ہوتا ہے، اسی سے کردار تعمیر ہوتا ہے اور جسے نظر انداز کر دیتے ہیں، اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ماضی کی یادوں کے نقوش معدوم ہوتے جاتے ہیں۔ چناں چہ جو شخص تکلیف دہ واقعات کو فراموش کرنا چاہتا ہے، وقت سے بہرطور فائدہ اٹھاسکتا ہے۔ وقت ہر زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ فرد اللہ پر یقین کے ساتھ صبر سے کام لے تو کچھ وقفے

کے بعد ذہنی اذیت پر غالب آ جاتا ہے۔

دل شکستہ ماضی کے حادثات کو بھلانے کے لئے ضروری ہے کہ توجہ کہیں اور مبذول کی جائے۔ دوسری دلچسپیاں، مشاغل اور ذہنی مصروفیت سابقہ یادوں کو بھلانے میں بڑی حد تک معاون ثابت ہوتی ہیں۔

مصروفیت سے مراد ہاتھ پیروں کا مصروف رہنا نہیں ہے، اصل مصروفیت ذہن کی ہے۔ آپ طالب علم ہیں، خاتونِ خانہ ہیں یا نوکری پیشہ، جو کام کر رہے ہیں، پریشان خیالی اور تلخ یادوں سے نجات کے لئے ذہن کو اس کام کے پسِ پردہ نظام کی طرف متوجہ کر دیں۔ چھوٹے ذہن کو چھوڑ کر بڑا ذہن اختیار کریں۔ کائنات کے نظام کے بارے میں سوچیں۔ دنیاوی رشتے اور دنیا کی باتوں میں رنج ہے لیکن کائناتی نظام میں رنج نہیں ہے۔ رات دن خود کو دہراتے ہیں لیکن ہر رات نئی اور ہر صبح تازہ ہے۔ اگر آپ تلخ یادوں کو بھولنا چاہتے ہیں تو انفرادی سوچ ترک کر کے اجتماعیت میں داخل ہوں جہاں کوئی شے کھوتی ہے نہ ملتی ہے، ہر شے اپنی جگہ موجود رہتی ہے۔

### کوئی دوسرا نہیں ہوں میں

کسی سبب سے اگر بولتا نہیں ہوں میں
تو یوں نہیں کہ تجھے سوچتا نہیں ہوں میں

میں تم کو خود سے جدا کر کے کس طرح دیکھوں
کہ میں بھی تم ہوں، کوئی دوسرا نہیں ہوں میں

تو یہ بھی طے کہ بچھڑ کر بھی لوگ جیتے ہیں
میں جی رہا ہوں اگرچہ جیا نہیں ہوں میں

کسی میں کوئی بڑاپن مجھے دکھائی نہ دے
خدا کا شکر کہ اتنا بڑا نہیں ہوں میں

یہاں جو آئے گا، وہ خود کو ہار جائے گا
قمار خانۂ جاں* میں نیا نہیں ہوں میں

مرے وجود کے اندر مجھے تلاش نہ کر
کہ اس مکان میں اکثر رہا نہیں ہوں میں

میں ایک عمر سے خود کو تلاشتا ہوں مگر
مجھے یقین نہیں، ہوں بھی یا نہیں ہوں میں

میں اک گمان کا امکاں ہوں افتخارِ مغل
کہ ہو تو سکتا ہوں لیکن ہوا نہیں ہوں میں

(شاعر: افتخارؔ مغل)

* قمار خانۂ جاں (نفع و نقصان میں قید دنیا)

● قارئین! اس کلام پر تبصرہ کیجئے۔

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

# PRIME LACE INDUSTRIES (PVT.) LTD.

**C-8, S.I.T.E, Hyderabad**
**Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381**

# خواب تعبیر اور مشورہ

زیارت

احمد قاسم، ورجینیا۔ امریکا: کلاس روم میں بیٹھا ہوا ہوں کہ اعلان ہوتا ہے، ”عالمین کے تاجدارؐ“ تشریف لا رہے ہیں۔ میں ادب سے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ پھر ہر طرف روشنی دیکھی۔ اس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔ نیند سے جاگنے پر کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔

تعبیر: خواب بہت مبارک ہے۔ آپ کثرت سے درود شریف کا ورد کرتے ہیں، یہ اس کی برکت ہے۔ رات کو سونے سے پہلے پاک صاف ہو کر سفید لباس زیب تن کیجئے۔ اچھی خوش بو لگائیے اور اہتمام کے ساتھ درود شریف پڑھئے۔ آپ کو بہت مبارک ہو۔

چالیس روز

ساجد نعمان، دبئی: ضروری کام سے اچانک کہیں جانا پڑا۔ علاقے کے ایک با اثر شخص کے پاس امانتاً قیمتی سامان رکھوایا۔ دس روز کے بعد واپس آیا تو امانت واپس کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا کہ جب تک گھر کا دوسرا سامان نہیں آجاتا، انتظار کریں۔ ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ سامان آگیا جو خاصا قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ ایک ڈبّے میں میری چیزیں تھیں۔ قیمت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ادائیگی کیسے ہو گی تو ان صاحب نے اشارے سے روک دیا۔ پھر سامان میرے گھر پہنچانے کا انتظام کیا۔

تعبیر: گھر کے بزرگ نئی جگہ سکونت اختیار کرنا چاہتے ہیں مگر رکاوٹیں درپیش ہیں جس کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پریشانی کا سبب موجودہ مکان ہے۔

مشورہ: عشاء کی نماز کے بعد پُرسکون جگہ کا انتخاب کیجئے۔ اندھیرے میں شمال رخ بیٹھ کر اول آخر درود شریف کے ساتھ 41 مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھئے اور حالات میں بہتری کے لئے دعا کیجئے۔ عمل کی مدت 40 روز ہے۔

## سرخ پھول

نورین صادق، آئر لینڈ: نند کے ساتھ بڑے میدان میں ہوں۔ ہر طرف ہریالی ہے۔ میدان کیا ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ نند کے ہاتھ میں سرخ رنگ کا خوب صورت پھول ہے۔ اس سے کہتی ہوں کہ مجھے بھی یہ پھول چاہئے۔ وہ میری طرف بڑھا دیتی ہے۔ سبز میدان میں خرگوش دوڑتے ہوئے نظر آئے۔

تعبیر: اولاد کی نوید ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ یقین اولاد عطا فرمائے، آمین۔

## یکسوئی

افروز حیدر، کامونکی: گلی میں کپڑے سکھانے کے لئے تار بندھے ہوئے ہیں۔ کپڑے ڈالنے گئی تو پہلے چھپکلی پر نظر پڑی پھر عجیب خط و خال اور قد و قامت کی عورت نظر آئی۔ کوشش کی کہ وہ مجھے نہ دیکھے۔

تعبیر: ذہن میں وہم، الوژن اور اِدھر اُدھر کے خیالات کا ہجوم ہو تو ایسے خواب نظر آتے ہیں۔ غیر ضروری باتوں بالخصوص غیبت سے دور رہئے۔ کثرت سے یاحی یاقیوم پڑھئے، پانچ وقت نماز کی پابندی کیجئے۔ نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں کا ترجمہ یاد کر لیا جائے تو نماز میں یکسوئی ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم جتنا آسانی سے پڑھ سکیں—ترجمے کے ساتھ پڑھئے۔

## مرحومین

رومیصہ نادر، کھاریاں: صاف شفاف سڑک کی دونوں طرف گھر ہیں۔ ایک گھر میں گئی تو رشتہ دار خاتون ملیں جن کے انتقال کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ وہ سفید لباس میں ہیں۔ گھر کے باغیچے میں کیاریاں ہیں جن میں پودے ہیں۔ باہر سے گھر جدید نظر آتا ہے مگر اندر سے قدیم طرز کا ہے۔ گھر صاف ستھرا ہے اور ہر شے قرینے سے رکھی ہوئی ہے۔ میں خاتون سے باتوں میں مشغول ہو گئی۔ اتنے میں ان کے شوہر مرحوم وہاں سے گزرے۔ انہوں نے بھی سفید لباس پہنا ہوا ہے۔ اس کے بعد ان کے بچوں کو دیکھا جو الحمدللہ، حیات ہیں۔

تعبیر: ایصالِ ثواب سے مرحومین خوش ہوتے ہیں۔ خواب سے ظاہر ہے کہ آپ نے دنیا سے جانے والے عزیز و اقارب کو ایصالِ ثواب کیا ہے۔ الحمدللہ، وہ اس عمل سے خوش ہیں۔

ایصالِ ثواب جاری رکھئے۔

## آٹھ گلاس

عفان میر، کراچی: ایسے خواب نظر آتے ہیں کہ نیند اڑ جاتی ہے۔ آخری مرتبہ خواب میں ایک خاتون کو دیکھ کر ڈر گیا۔ چہرہ خوفناک اور جھریوں بھرا تھا۔ مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ یکایک میری طرف قدم بڑھائے تو میں نے شور مچا دیا۔ وہ غائب ہوگئیں اور خوف سے آنکھ کھل گئی۔ ایسے خواب دیکھنے کے بعد کپکپی طاری ہوتی ہے اور دل کی دھڑکن بہت تیز ہو جاتی ہے۔

تعبیر: جن صاحب نے خواب دیکھا ہے، وہ معدے اور آنتوں کے مرض میں مبتلا ہیں اور تکلیف میں ہیں۔تکلیف کی علامات خواب میں نمایاں ہیں۔معدے اور آنتوں کے لئے جو ادویہ لی ہیں، ان کا ردِّعمل ہوا ہے۔

کتاب ”روحانی علاج“ سے اجازت کے عمل کے بعد معدے اور آنتوں کا علاج کیجئے۔ غذا میں احتیاط ضروری ہے۔ بازاری کھانوں، مرچ مسالوں اور وقت بے وقت کھانے سے گریز کیجئے۔ دن میں کم سے کم آٹھ گلاس پانی پینا صحت کے لئے مفید ہے۔

## خوش نصیبی

فیصل کلیم، نوشہرہ: ایک سعید ہستی کو دیکھا۔ بیگم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گیا اور سلام کیا۔ انہوں نے محبت سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے بیگم سے کہا کہ نیک ہستیوں کی خدمت میں حاضر ہونا سعادت ہے۔منظر بدلا تو دیکھا کہ وہی بزرگ کسی ہال میں خطاب فرما رہے ہیں اور ہال کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ تِل دھرنے کو جگہ نہیں۔ میں راستے میں بیٹھ گیا۔ کچھ لوگوں نے وہاں سے اٹھادیا اور کہا کہ یہ راستہ ہے۔ میں رنجیدہ ہوگیا کہ سب کو کہیں نہ کہیں بیٹھنے کی جگہ مل گئی لیکن مجھے اٹھادیا گیا۔ انتظار میں رہا کہ جہاں جگہ نظر آئے گی، بیٹھ جاؤں گا۔

تعبیر: زندگی ہمہ وقت دو بنیادی کیفیات میں بسر ہوتی ہے۔ دونوں کیفیات مقررہ نظام اور مقداروں پر قائم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے،

” پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

(الزلزال: ۷۔۸)

مستقل مزاج ہونا بہترین عمل ہے۔خواب

اچھا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خواہشات قبول فرمائے، آمین۔

دو رنگی

ارسلان، کراچی: انتہائی خوش نما منظر دیکھا کہ دل کو سرور ملا اور طبیعت خوش گوار ہوگئی۔ حسین سبزہ زار ہے، رنگوں کی بہار ہے۔ چند درخت ایسے ہیں جن کے پتّے جھڑ چکے ہیں۔

تعبیر: خواب خیالات و کیفیات کی فلم ہے۔ ذہن مختلف کیفیات میں ردّوبدل ہوتا رہتا ہے۔ کبھی رنگ رنگ مناظر نظر آتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خزاں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ خوش رہا کیجئے۔ خوش رہنے والے لوگ خوف اور غم سے آزاد ہوتے ہیں۔

احتیاط

رفیع الدین، سرگودھا: خواب میں گھوڑا اور کتّا دیکھے۔ گھوڑا مجھ سے مانوس ہوگیا اور دیکھتے ہی سر ہلا کر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر کمرے میں کتّے دیکھے۔ حیرت ہوئی کہ گھر میں کتّے نہیں ہیں، یہ کہاں سے آگئے؟ اتنے میں گھوڑے کا خیال آیا، اس کی تلاش میں گھر سے باہر آیا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا۔

تعبیر: بخار کے نقوش نمایاں ہیں۔ احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ تکلیف بڑھ سکتی ہے۔ بازار کے کھانوں سے پرہیز کیجئے۔ وقت پر اور بھوک رکھ کر کھایئے۔ بلڈ پریشر ضرور چیک کروایئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا وقت ضائع ہوتا ہے، طبیعت میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ رات کو سونے سے پہلے ”خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ، جلد اول“ پڑھیے اور جو پڑھا، ذہن میں دہراتے ہوئے سو جایئے۔ سونے سے پہلے وضو کیجئے۔

کھانا کھلایئے

فردوس بی بی، لاہور: انجانی جگہ پر خاندان والوں سے باتوں میں مصروف تھی کہ کسی نے بتایا، تمہاری والدہ حیات ہیں اور فلاں جگہ پر ہیں۔ اگلے منظر میں والدہ کو خواتین کے ہجوم میں دیکھا۔ وہ کسی کے گھر میں ہیں۔ اپنے گھر چلنے کا کہا تو منع کر دیا۔ اصرار پر بھی راضی نہ ہوئیں اور کہا کہ یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ مسلسل ٹال مٹول سے کام لیا۔

تعبیر: ایصالِ ثواب کی ضرورت ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر بخش دیا کیجئے۔ حسبِ استطاعت وقتاً فوقتاً کھانا

کھلا کر ایصالِ ثواب کیجئے۔

کوتاہی

سلمٰی، فیصل آباد: ذکر کی آواز آتی ہے۔ آواز سن کر کمرے کی طرف جاتی ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ اندر مراقبہ ہو رہا ہے۔ڈیوٹی پر موجود خاتون سے کہتی ہوں کہ مجھے محفلِ مراقبہ میں شریک ہونا ہے۔ وہ اندر جانے کے لئے راستہ دیتی ہیں لیکن میں کہتی ہوں کہ ایک ضروری کام ہے، وہ نمٹا کر تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔

تعبیر: خواب بجائے خود تعبیر ہے۔

وسوسے

مہرالنساء، لاہور: مجھے سانپ اور چھپکلیاں بہت نظر آتی ہیں۔ بچنے کی کوشش کرتی ہوں۔ انہیں مار دیتی ہوں اور کبھی وہ بچ جاتی ہیں۔ اس قسم کے خوابوں سے نیند متاثر ہوگئی ہے۔

تعبیر: خواب دیکھنے والی صاحبہ کے روز و شب یقین سے دور اور الجھے ہوئے ذہن کی تصویر ہیں۔ ذہن میں وسوسوں کی بھرمار ہے جس کی وجہ سے یقین کی دنیا متاثر ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی بجائے ناشکری

ماہنامہ قلندر شعور فروری 2025ء

## آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:.................... والدہ صاحبہ کا نام: ....................

پورا پتہ:....................................................................

ازدواجی حیثیت:.................... وزن (تقریباً): .................... آنکھوں کا رنگ....................

نیند کیسی آتی ہے:.................... بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):.................... تاریخ پیدائش:....................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.................... فون نمبر....................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....................................................................

....................................................................

اور شکوک و شبہات زیادہ ہیں۔ وقت مقرر کرکے ترجمے کے ساتھ قرآن کریم پڑھیے اور اس میں تفکر کیجیے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں تفکر سے اندر میں نورانی لہریں دَور کرتی ہیں اور فاسد خیالات دُور ہو جاتے ہیں۔

پانی

فاطمہ حسن، کراچی: گاڑی چلا رہی ہوں۔ ایک جگہ پانی آیا۔ دیکھتے ہی علم ہو جاتا ہے کہ پانی کے نیچے سڑک پر بڑے بڑے گڑھے ہیں۔ میں نے آگے جانے میں توقف نہیں کیا اور گاڑی بڑھا دی۔ پانی کی سطح پر سے گاڑی لے جاتے ہوئے احساس گہرا ہو گیا کہ نیچے گڑھے ہیں لیکن محسوس نہیں ہو رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ گاڑی بحفاظت رواں رہی اور گزر گئی۔

تعبیر: خواب خوش آئند ہے۔ حالات مشکل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ مشکلات میں سے اسی طرح گزر جائیں گی جس طرح گاڑی پانی پر سے گزر گئی۔ اسباق کی پابندی کیجیے اور وضو بے وضو چلتے پھرتے کثرت سے یاحی یاقیوم پڑھیے۔

هوائی کرہ

وہم کیا ہے—؟ خیال کہاں سے آتا ہے—؟ یہ بات غور طلب ہے۔ اگر ان سوالات کو نظر انداز کر دیں تو کثیر حقائق مخفی رہ جائیں گے اور حقائق کی زنجیر جس کی سو فی صد کڑیاں اس مسئلے کے سمجھنے پر منحصر ہیں، انجانی رہ جائیں گی۔ جب ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو اس کا کوئی کائناتی سبب ضرور ہوتا ہے۔ خیال کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی ہے۔ یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت نہیں ہوتی، اس کا تعلق کائنات کے اُن تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں— مثلاً جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کرۂ ہوائی میں کہیں کوئی تغیر پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے ذہن میں کوئی چیز وارد ہوتی ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان کے لاشعور میں کوئی حرکت واقع ہوئی ہے۔ اس کا سمجھنا خود انسانی ذہن کی تلاش پر ہے۔ (کتاب: کشکول)

"We must talk to the angry man. I am sure he is not a bad person, but he is scared that he is going to be alone and unloved and hence he is angry. Is he not?" Nani asked.

"Yes *Nani*, he is afraid of being alone and not loved by anyone," Salman muttered.

"So then, let us introduce him to his best friend who has been sent to him by God Himself, maybe the large angry man will change into a young and happy boy." *Nani* stood up and offered her hand to Salman.

"Let's go, *Nani*! I'm so excited to meet my friend." *Nani* smiled.

She took him to the baby's room and from the corner of her eye requested her daughter, Shahida to leave the room. She then announced aloud to the baby who was by now wide awake and smiling, "Tariq, here is your best friend, Salman. You were sent here especially for him. Now come out of the cradle and play with your best friend." She lifted the baby and put him on the lap of a perplexed Salman.

The baby looked at his brother and began to gurgle, "Ba… ba… ba…" "Look, *Nani*! He is calling out to me. He is saying *Bhai* (brother)," Salman said excitedly. Suddenly the baby grabbed Salman's fingers and tightened his grip, "*Nani*, he is holding my hand, he wants to play with me."

*Nani* stood silently watching her two grandsons enjoying each other's company. "*Nani*! See he is touching my face, it's tickling me."

"I have some work in the kitchen, do you think you can manage your best friend for a few minutes all on your own?" *Nani* asked.

"Yes, I will take care of him, *Nani*. Can I have more cake?"

"Yes, you can. I will bring some for you." *Nani* said smiling as she left the room and stood behind the door to watch her grandsons interact. Her daughter stood beside her, her eyes glistening with tears of gratitude.

Salman seemed busy, "Do you want to play with my favourite ball? Do you know I am a big boy now and go to school? Do you want me to read my book to you? *Nani's* cakes are good, I will ask her to get you some. No no, ha ha ha, don't pull my hair. No, don't bite me. You are funny. I can sing for you, twinkle twinkle little star…"

*Nani* put her hand around her daughter and said, "Love always wins over our internal angry and insecure personalities. Involve Salman in raising Tariq. They need to be around each other on their own, while we supervise them from a distance. We need to trust Salman and let him be the older caring brother to Tariq. He is scared that he will be left alone and go unloved. The more he is involved, the more secure he will feel."

They hugged each other and the insecure angry man finally left their home.

ii

I have a game for you. Each time you get the right answer, you will get a piece of cake. How about that?" she asked him.

"But *Nani*!" Salman exclaimed trying to wriggle out of the challenge, however, *Nani* looked serious about her offer.

"Okay! Let's play!" Salman seemed ready. *Nani* placed a sheet of paper and coloured pencils on a table and asked Salman to close his eyes. The little boy complied and closed his eyes tight.

"Now imagine your brother playing in the cradle and your mom sitting with him," *Nani* coaxed him. Salman's face changed, he did not seem happy.

"Open your eyes son and draw how you feel on the paper." In no time, Salman drew a large man on the paper, from the expressions, the man looked like he was seething in anger.

*Nani* said, "The man seems to be very strong." "Yes he is very strong, he can carry a whole mountain on his shoulders," replied Salman.

"Wow, then he can destroy everything that is in this house if he comes out of this drawing is it not? He looks rather angry to me. But, before we go to the next question, here is your first piece of cake for winning the first challenge," *Nani* fed a piece of cake to Salman with great love.

"It is not safe to have this large angry man in the house, is it Salman? Do you know where he might be hiding?" *Nani* asked softly. Salman nodded his head in affirmative and pointed at his little stomach, "He is hiding in here *Nani*." *Nani* smiled and said, "Well done son! Here you go, have the next piece of cake."

Salman was happily eating the cake when *Nani* asked him casually, "If the large angry man walks out of your stomach, what do you think he will do?" Salman replied, "He will take my little brother away." "And then what will happen when your brother leaves our home?" urged *Nani*.

Salman giggled and said, "I will get *Ammi* all to myself. She will love me like she did before."

"But what will happen to your *Ammi* if your brother leaves our home?" *Nani* coaxed him to think.

Salman put his head down and said in a low voice, "She will cry and be sad."

"That's the right answer, my boy! Yes, your mother will be crying and sad all the time. Do you think you will be happy having a crying and sad *Ammi* around you?"

"No!" said Salman.

Feeding another piece of cake, *Nani* asked, "What should we do then Salman?"

"Let us send the large angry man away *Nani*," Salman replied with urgency in his voice.

"How can we send him away?" asked Nani again.

"I don't know," he replied in all sincerity.

# Waves of Insecurity

*Most children feel insecure when their younger siblings arrive in their lives. It is vital that the elders of the family take upon themselves to educate that it is not good to harbour ill feelings and help in getting rid of their insecurities.*

---

Five-year-old Salman stood gazing at the cradle. His baby brother Tariq, only 6-months-old, was sleeping peacefully within it. Salman looked around him; seeing no one, he pushed the cradle hard. The sudden jerk startled baby Tariq who wailed aloud. Panicking, Salman hid under the bed.

He heard footsteps rushing towards the cradle and realised that it was Shahida, his mother. She spoke to the baby, "What happened my baby? Did something scare you? Hush! Don't worry mother is here." Though Shahida tried her best to quieten the baby, Tariq was inconsolable. She checked Tariq's stomach to see if he was in pain, and then went on to check his arms and legs for insect stings. Her maternal instincts knew it was Salman's doing, but she had no proof. This was not the first time that she had found Salman acting out of his insecurities and making his brother cry. She was trying her best to make both her children feel safe, but nothing seemed to be of help.

Shahida carried Tariq out of the room and walked to where her mother was folding his clothes. "*Ammi*, I need your help. I am at my wit's end and do not know how to handle Salman's insecurities."

The grandmother sported a gentle smile and spoke calmly, "You must know that you were insecure of your sibling too. But look at the strong bond of love that thrives between you and your sister today. Do not worry, I will take care of Salman. Feelings of insecurity are not new or unique to him alone. Most children feel insecure when their younger siblings arrive in their lives. It is time for us to educate him about insecurity and why it is not good for him to harbour it. You put little Tariq back to sleep and leave the rest to me."

Shahida heaved a sigh of relief. She knew her *Ammi* (mother) could solve this problem with ease.

The aged grandmother went into the kitchen and began to bake Salman's favourite carrot cake. In no time, just as the ants find the jar of sugar, Salman could not resist the aroma of the cake and landed in the kitchen, tugging at his *Nani's* (maternal grandmother) shawl. "Ah! There you are! I was just about to call out for you. Where were you and what have you been up to?" she asked stroking his head with great love. "I… I… I… want cake." Salman was fumbling. He was too young to lie but was old enough to change the topic.

*Nani* smiled. "Sit down Salman.

ماہنامہ

# روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے مِلا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدّین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

Embarking on a quest for solutions, led him to the profound wisdom of the *Faqeer* once again.

"When others inflict harm upon you, practice forgiveness. Be quick to seek forgiveness and remain in repentance when you cause harm to others, and be just as quick to forgive those who have caused harm to you. For those who seek forgiveness sincerely, cleanse and enlighten their hearts.

When circumstances cause you harm, surrender with faith. Give your best effort, but release worries associated with the outcome; recognise that the results ultimately rest in the hands of the Divine, and that He knows what is best for us. When one surrenders in faith, one invites eternal peace into their heart.

When we cause harm to ourselves, remain in acceptance and awareness of your true nature.

Acknowledge that you are not merely a physical being driven by your experiences, but rather, you are a soul – an observer of these experiences. When one tries to gain awareness of one's true self and the attributes of their soul, the laws of creation are revealed to them. Self-awareness eventually creates an energy within one that serves as a foundation for cognising the Creator."

"Those who control their wrath and are forgiving toward mankind; God loveth the good."

(Quran, 3:134)

Saleem noted the ways that he could manage his anger.

1. *Slow down your speed of speech when angry*. He noticed that when he spoke fast, he was unmindful and ended up saying things he did not mean; thereby, creating irreparable damage.
2. *Walk away when you notice signs of anger rising and come back when calm*. This would give him time to process and understand his triggers of anger. When he understood what upset him, he could come back with the ability to converse rather than indulging in arguments.
3. *Notice that anger upsets your breathing pattern*. He decided to consciously inhale and exhale as slowly as he could till his anger dissolved and his breath was normal.
4. *Anger causes tremors and physical tension within you.* He decided to tighten his fists and release them until his body calmed down.
5. *Anger shuts down your ability to reason*. He decided to seek help from a neutral party on the matters that upset him and get clarity on the situation so that he could act with a rational mind.

Saleem felt happy to be in his true element. He was determined to set himself free from slavery to anger. He remembered a quote by the Persian poet Hafez, "Fear is the cheapest room in the house; I would like to see you live in better conditions."

# Anger

*"Those who control their wrath and are forgiving toward mankind; God loveth the good." (Quran, 3:134)*

---

Saleem sat in the corner of his room seething in anger. A year ago, worn out by the incessant pressures of the world, he had begun to retaliate at it. He had meticulously compiled his reasons and arguments to justify his outbursts.

However, recently Saleem was angry with himself, as he grappled with the realisation that he had become a slave to this destructive emotion. He had not realised that the emotion he had taken refuge under was consuming him and everything around him. Much like a blazing fire, anger had reduced everything to mere ashes. As a consequence, he found himself isolated, with nothing and no one to blame but himself. The strong defence he had built over time to justify his anger made it tough to convince himself to let go of his resentment towards everything.

He glanced at the broken picture frame on the floor. It was the last straw that damaged his relationship with his wife and children, who had walked away, leaving him in the company of his anger.

Amidst the pain, the wisdom of a wise *Faqeer* struck a chord in his heart, "Anger, like a poisonous substance, contaminates blood and depletes the stored reservoirs of spiritual energy within a person. One does not attain spiritual status unless they overcome anger and resentment residing within them."

He knew anger stemmed from deep hurt and noticed the three main sources of hurt in life.

Firstly, hurt inflicted by people whom he had expectations from, led to feelings of betrayal, subsequently fueling his anger.

Secondly, hurt caused by circumstances beyond his control, evoked a sense of helplessness and fear that intensified his anger.

Lastly, self-inflicted hurt through his inability to meet his own expectations from himself, resulting in feelings of not being good enough, which further aggravated his anger.

As he carefully evaluated all of the above causes, he realised that the root of his anger lay in the expectations that he placed upon people, circumstances, and himself. There was a great sense of entitlement in him, which made him believe that he deserved more. He was under the grip of a victim mentality that reminded him that his desires were not fulfilled by anyone, not even by his own self. This sense of superiority that he deserved better than what he was granted and the lack of gratitude to what he already had, strengthened the anger in him.

lost is restored, often on a much grander scale. What He takes, He returns manifold. The key to successfully rise over trials is, '*Alhamdullilah*'."

"On the other hand, the problems that mankind creates for themselves are like Pandora's box. These problems created by one's ego, resemble a dark sticky web – where one problem, spirals into another, and a series of misfortunes keep manifesting themselves. Those caught in the grip of negativity, often suffer for decades, sometimes even breathing their last in self-inflicted misery." The words of her heart created an image of a fly struggling to get out of a sticky spider web. She had witnessed individuals living totally beaten at the hands of their circumstances.

"However", said the heart. "The benevolence of God is such that, even through the series of self-inflicted problems, if an individual at any point arrives at this realisation, surrenders to God, and slips into a state of gratitude – gratitude even for the most challenging circumstances – and remains in faith that God will bring forth the best towards them, and that no harm will befall them, then the chain of misery snaps, solutions present themselves, and miraculously, a life of ease and joy unfolds as God takes charge of their welfare.

She looked up at the night sky and whispered, "*Alhamdullilah*, especially for placing me under the care of my spiritual master, who has transformed so much within me." She could vouch that in that moment that everything around her – the millions of twinkling stars and the worlds within them – were praising the Lord of all realms in unison with her. She felt the powerful vibrations of "*Alhamdullilah*" echoing through the universes.

## Don't Judge a Book by its Cover

The sisters had been waiting eagerly for the weekend to arrive and were pleased that they could finally travel into the wilderness and away from the chaos of a city life. Boarding the train, they sat opposite three friends. One of them, a boy, was too loud in his conversations. The sisters smiled at each other and exchanged a glance in agreement that the boy was indeed embarrassingly loud and silly. Just then, a seemingly mentally disturbed man charged toward them and hit his hand over the metal pole of the train, asking them to remain quiet. The girls were petrified by this sudden behaviour. The very same boy instantly stood up and positioned himself between the man and the girls. He talked to the mentally distressed man with love and diffused his anger. The girls hung their heads in shame. The boy had heroically saved them. Indeed, one must never judge a book by its cover.

inside her heart, it unraveled the details on the lives of various Prophets (PBUT) that she had read and heard about. These revelations came in as flashes of light, illuminating the corners of her yearning heart.

It was evident that the Prophets (PBUT) responded to everything that unfolded in their life with "*Alhamdullilah*". Through this, they demonstrated strong faith that whatever God sends forth, be it good or bad, are all in their best interest. In their expression of gratitude, is complete surrender, for they live knowing that their Creator alone knows what is best for them. They also offer gratitude through their hardship as they saw them as an opportunity to earn the proximity and attention of their beloved Divine.

Her heart turned its focus towards the chapter of Prophet Adam (PBUH) – despite being banished to endure hardships of earthly existence, he remained unwavering in his gratitude and certitude towards God, which earned him God's mercy. God assigned Archangel Gabriel (PBUH) to teach Prophet Adam (PBUH) the ways of living life on earth. "*Alhamdullilah*. The inventions and progress that mankind proudly displays today is the result of this training," she thought.

The story of Prophet Ayub (PBUH) came to her mind next. In the face of each loss, he remained steadfast in his gratitude, praise, and faith in God Almighty. He expressed his gratitude to God for allowing his body to become sustenance for maggots and also for the pain inflicted by the maggots as they ate into his flesh – instead of viewing pain as suffering, he chose to see how God paid close attention to him when he endured pain. This state of gratitude through pain, helped him regain everything that he lost, and even more. "*Alhamdullilah*. This demonstrated that gratitude is the key to recovering more than what we have lost in life," she exclaimed.

God states in the Holy Quran on the perseverance of Prophet Ayub (PBUH):

"And We bestowed on him (again) his household and therewith the like thereof, a mercy from Us, and a memorial for men of understanding." (Quran, 38:43)

She could easily detect the difference between the circumstances sent forth as trials from God and those that were self-inflicted when she studied her own life in comparison with the lives of the revered Prophets (PBUT). Her heart said, "All the trials and hardships that come forth from God or His appointed guides that are meant for one's spiritual advancement and enlightenment, though tough to face and can push a person to the verge of a breakdown, are sent forth only to check a person's response to it. Once the test is responded to with gratitude while surrendering all consequences to God, the problems vanish without trace, causing no harm to the person. Everything that was destroyed or

ing the reflection of what their mind is seeing on its screen. The surface of a mirror is also like the eye, isn't it? It is not reflecting me, instead, it captures my image and relays it to the consciousness within it; what the consciousness sees is now reflected upon its surface."

After a brief pause, she asked, "But doesn't science tell us that the image captured by the eye forms 'upside down' on the screen of the mind, and that we see it upright only after the inversion correction?" Her heart replied, "This is a matter that needs to be considered with careful deliberation. Did the wise ones not enlighten us that we are all suspended upside down from the earth's surface? Which means, the image captured by the eye and imprinted upon the screen of the mind is of us as we truly are – upside down. What the world thinks as inverse correction is in fact, vision distortion. We are, in reality, all upside down, viewing things as upright."

The profoundness in the revelations made her heady. She looked down at the grass beneath her feet, keeping her gaze steady, hoping to ground herself. Though the shades of green, yellow, and brown of the grass, had surrendered to the overpowering black, she managed to remain focused on the grass blades outlined by the moonlight. Suddenly she saw the ground move, it was billowing like fabric in the wind. Her gaze transfixed, jaw dropping in awe, she sank deeper into the mesmerising movements. When she blinked, it snapped her out of the trance. "Waves! Everything around and inside me are waves in constant motion," she thought.

Her contemplations either set her heart spinning in pure delight and bliss in the wake of new realisations, or kept her up all night, restless for answers that remained shrouded by a veil. She saw herself as a wayfarer who at times saw the farthest destination in plain sight, and other times felt severely blinded from taking the next step ahead. She had to admit that this alternation between insight and ignorance brought in streaks of adventure every traveler eagerly anticipates. The unknown paths brought forth excitement, learning, and awareness, while the known paths reminded her of the trials she had to go through to transit from the unknown to the known – ignorant to the aware – life and its travelers call this gradual accumulation of 'known' as their life experience.

She was extremely grateful, with tears she exclaimed, "*Alhamdullilah.*" Her mind spiraled in a new direction, "How do I know if the circumstances that I am facing in life are spiritual trials or if they are my own conjuring?"

A revelation came to her mind; she felt she had been handed the key to a happy life brimming with the grace and mercy of the Divine. "*Alhamdullilah*," she exclaimed aloud, unbothered by her surroundings. As soon the essence of "*Alhamdullilah*" reverberated

i

# The Power of Alhamdulillah

*...why is it said that we do not see our reflection in the mirror, rather, we see what the mirror sees? What does this mean?" she asked her heart.*

The trees around her looked majestic in shades of green and brown. Soon the sunlight began to fade, the sky portrayed the warm oranges of dying embers, and the trees transformed into silhouettes. The vibrant colours around her seemed to surrender to the colour black that slowly dominated the surroundings. "The night is being peeled off from the day," her heart said. "Everything is changing to match the night-mode. What is the significance of the light fading to become moonlight and brightening as sunlight? What is the interchanging of night and day? Are they actually interchanging, or am I drifting in and out of my recorded memory of day and night?" She paused to think.

Her mind swirled in a vortex of questions. "What is the colour black? When our eyes fail to see the lights beyond our visual spectrum, do we perceive them as darkness or the colour black? Could black be an amalgamation of the lights of the *Ghaib*? Is the night sent forth to usher us into *Ghaib*; is it a gateway to the subconsciousness?"

Her heart expressed softly, "A *Momin* (true believer) lives basking in the Divine Light – that which neither rises nor sets, brightens nor fades. It is a light that encompasses everything that exists without differentiation. Hence, their heart is free from darkness; it remains illuminated, unaffected by the alternation of day and night. A *Momin* sees day and night existing in union, just as you see yourself as a union of the feminine and masculine that is within you - the feminine in you has manifested itself in a physical form and hence you are known as a woman in this physical world, but there is also a masculine form hidden inside you. Like day is hidden in night and night in day.''

"Now that we are on the topic of vision, why is it said that we do not see our reflection in the mirror, rather, we see what the mirror sees? What does this mean?" she asked her heart.

Her heart guided her gently, "Let us consider that your friend is looking at you. When you look into their eyes, you see your reflection there. Now tell me, what are you really seeing? Are their eyes reflecting you, or did their eye capture an image of you, project it onto the screen of their brain, and their brain then reflected what it saw on the lens of the eye?" She said, "The latter."

"What you see as a reflection in their eye – is it not an inverted image of what their mind is seeing?" the heart asked. She was quick to respond, "Yes! I am see-

We see inside, however as we have accepted the illusory thinking pattern, we think we are seeing on the outside. The impressions of what we see gets transferred on to the screen of the brain. We see what is on the screen of the brain, however, due to our ignorance, we presume that we are seeing through our eyes. If the images do not appear on the screen of the brain, we do not see. We must understand, if we have no practice of seeing with our eyes closed, then we cannot see with our eyes open too.

• • ——————————— • •

There are different ways of seeing; seeing in the state of wakefulness, inside our brain, visualising, in our dreams, feeling the sixth sense, in the hereafter after our death, and inside our heart. The process is the same in all methods, which is that mankind sees whatever they are seeing, on the inside. However, as they are unaware of this fact, they express the process of seeing in various ways. But when they gain awareness, the veil of illusion over their senses gets lifted, and their heart becomes their eye. This mode of seeing is common in all creatures and it is on the basis of this that they attained the consciousness of *Roz-e-Azal**.

Dear readers, without blinking your eyelashes see within yourself. When we see on the inside, secrets unravel that though everything is individualistic, the consciousness in them is collective. The collective consciousness is that the Supreme Being that created the universe is One, and it is He who manifested "*Kun Fayakun (Be, and it became).*" The creations are manifested on the same foundation upon which they existed before their manifestation. This foundation is God's will, and this is the collective consciousness of the creatures. God Almighty states:

> "But His command, when He intendeth a thing, is only that
> He saith unto it: Be! and it is." (Quran, 36:82)

Note A request especially to the Ophthalmologists and those who understand the mechanisms of the eye – do send in your comments on this editorial. The mode of seeing depends on the inner and outer mechanism of the eye. Every creature in fact is seeing the observations of other creatures. However, when one sees something, they assume that they are seeing things themselves.

May God protect you.

---

*Roz-e-Azal (When God Almighty wanted this universe to cognise Him, He stated – "Alastu bi Rabbikum (Am I not your Lord)?"). For more details, read Chapter al- Aaraf, Verse 172 of the Holy Quran.*

the functions of the eye; the same system operates when the reel of life appears on the screen of earth.

• • ———————— • •

Highly intelligent, perceptive, wise, and discerning ladies and gentlemen! Perform this exercise.

① We experience thirst so that satiation manifests over the dryness we feel. Concentrate and look inside your brain. When the need to quench one's thirst deepens, the impression of water begins to form on the screen of the brain. The impressions become so prominent that the springs hidden under the veil of earth reveal their existence to those who want to quench their thirst. Amongst the millions of chambers of images, one chamber opens up and all of us – you, me, the sky, earth, trees, birds, insects – see the image of water inside it. One will not drink water if the image of water does not appear on the screen of their brain.

② Bring both your eyelashes together (*Yak jaan**) for three minutes. As there is no movement in the eyelashes it seems like nothing is visible, however, deep behind the eyes, on one unit of the brain, a reflection appears. Focus on the example of water. Let's say, Zaid is thirsty. Until the impression of thirst is formed, the thirst will not be quenched. Just as a reflection appears in a mirror, similarly a reflection appears on the pupil of the eye, and everything can be seen on it as images. However, when one blinks, the image that is formed inside fades, and we consider this as an act of 'not seeing', while it is not so.

• • ———————— • •

An important part of the top and bottom edges of an eye that beautify it, are the eyelashes. The reflections that appear on the eye – are they not due to eyelashes? The process of opening and shutting of eyelashes is in fact a process of dividing space. Mankind observes everything by dividing space into smaller units. When one blinks once, they save only a moment of a scene; this moment could be a 1000th unit of time (millisecond).

When the top and bottom eyelashes, which we can refer to as the positive and the negative, absorb inside each other (unite), duality ceases to exist and though it seems like the lens inside the eye does not see anything, it does see. When the edges of both the eyelashes meet, the angle of seeing externally is suspended, however, the process of seeing continues. We could say that when the eyelashes became one, duality ends, the scenes of duality disappear, and the journey through the singularity of angles begins. As we have no practice of seeing the scenes of singularity, we declare that darkness has prevailed. After a while, the world on the other side of darkness becomes the focus of the eye.

---

**Yak jaan (Close your eyes. Not so hard that you feel pressure on the eye balls)*

ii

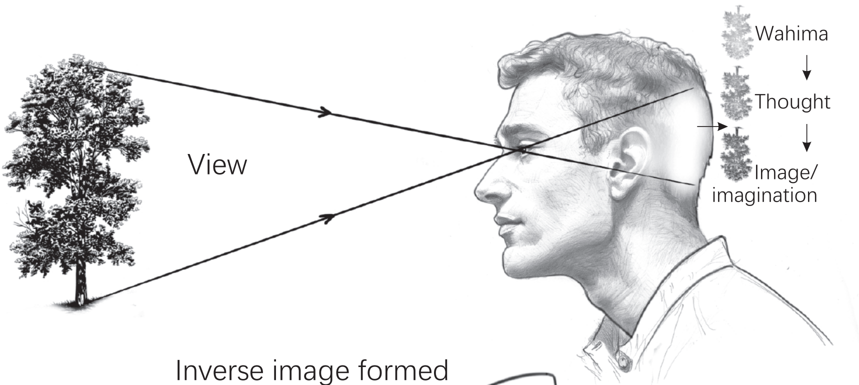
View
Wahima
Thought
Image/
imagination

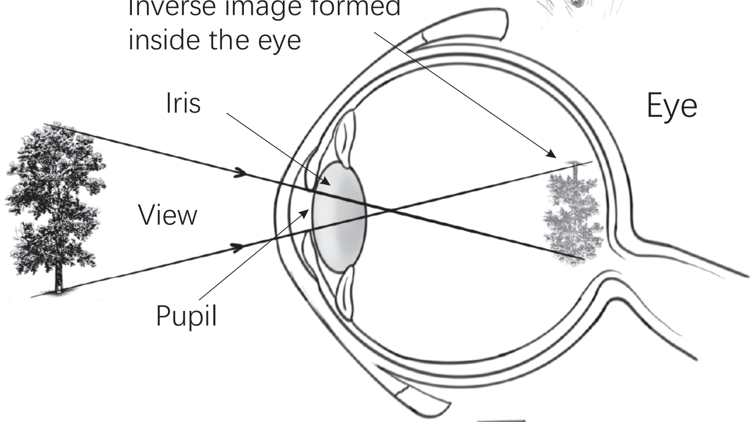
Inverse image formed
inside the eye
Iris
Eye
View
Pupil

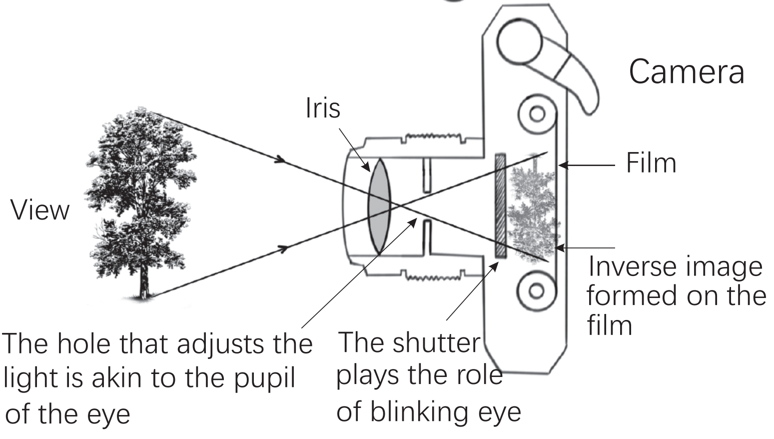
Camera
Iris
Film
View
Inverse image
formed on the
film
The hole that adjusts the
light is akin to the pupil
of the eye
The shutter
plays the role
of blinking eye

# Message of the Day

*Respected Ophthalmologists are requested to share with us on what is the mechanism of seeing inside and on the outside.*

There are multiple angles through which we can see the universe. Each of these angles is an expansive system that disguises the universe according to the angle in which we choose to see it. If one were to classify these angles, then fundamentally, there are two layers through which we see. While one layer is that upon which universe is created, the other layer resembles a tree with multiple branches. One's unawareness of the existence of the first layer led to the manifestation of the second layer. This unawareness conceals the universe that is illuminated with Divine light from one's sight. Hence, what is visible to them, and what they see, are not reality.

An individual thinks that they are observing things outside of them, and this perception creates an angle that makes them feel that they are seeing everything outside. For example, the earth, sky, moon, sun, stars, spaces inhabited by life, destinations near and far, and all other creations – one does not wonder about where they are actually seeing all those things that they observe on the outside. A veil is drawn, shifting one's focus away from observing the true side of things, and they are shown a side that is referred to as 'illusion'.

• • ——————— • •

Respected friends! The eye does not observe anything on the outside; rather, it observes what one is seeing inside*. A camera can help us understand how the mechanism of sight functions. The reflection of something first appears on the lens of the camera. Then, when the shutter button is pressed, an impression forms on the screen. As we are dominated by the angle of seeing things externally, we assume that the camera's eye is its screen. Whereas, the camera's eye is the lens that is inside it. It is the lens that absorbs the reflection, and inverts it onto the screen of the camera.

The opening and shutting of the shutter play a pivotal role in the system of vision. If the shutter did not open, the reflection of the scene would not appear on the lens, and if the shutter did not close, the lens would not save the reflection. That is, what the lens saw would not appear on the screen of the camera. Mankind invented the camera based on

**Seeing inside (reflection)*

# Contents


| | | |
|---|---|---|
| Message of the Day | K. S. Azeemi | 136 |
| The Power of Alhamdulillah | Bibi Anuradha (UAE) | 132 |
| Anger | Uzair Anees | 128 |
| Waves of Insecurity | Roshan Sitara | 125 |


"To be compliant with the will of God, is worship."

— Hazrat Nafeesa bint-e-Hasan (RA)

Vol 13 Issue 1 | February 2025 | Shabaan 1446AH

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

# Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief

**Huzoor Qalandar Baba Auliya RA**

Chief Editor

**Khwaja Shamsuddin Azeemi**

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.130/- Per issue. Annual subscription Rs.1944/- with Reg. Post (Domestic), US$ 75/- (International)

**Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020**

DENTAL innovations CLINIC

# Happy Smile

**The secret of the Beautiful Smile**

*Whiter than White .....!!*

## Center of excellence for Braces & Dental implants

### Aesthetic Dentistry
Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

### Restorative Dentistry
Root Canal Treatment, Crown & Bridge

### Orthodontics
Fixed & Invisible Braces

### General Dentistry
Extractions, Fillings, Dentures

### Preventive Dentistry
Pit Fissure Sealants, Root Planing

### Minor Oral Surgery
Impactions, Cyst, Apicoectomy

### Pediatric Dentistry
Space Maintainers, Steel Crowns

**DENTAL INNOVATIONS CLINIC**

Mezzanine Floor AKU Lab 26th Street
BADAR Commercial Phase V, DHA, Karachi
dentalinnovations747@gmail.com | www.dentalinnovationsclinic.com
Dental Innovations Clinic
0300-8511747 | 021-37242559 | 021-35242559

New Homes For Sale in Multan & Lahore

For More Details : +92 345 4121 910

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

f: lavishdinerestaurant

# Lavish Dine
## Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

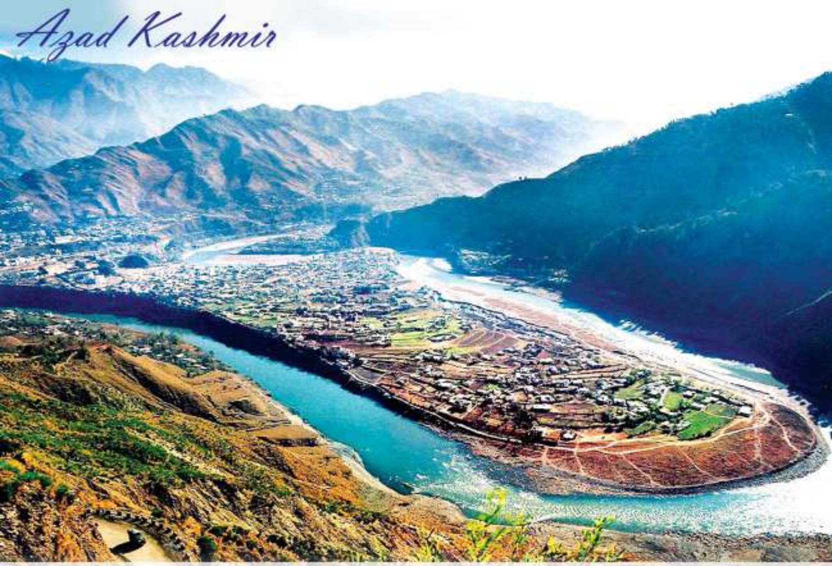


SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

*We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.*

**Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587**

**Email:sangamhotel@hotmail.com**

RED BERRY
CORPORATE SERVICES

دنیا کے بڑے کاروباری مراکز میں سے ایک

# دبئی میں اپنے کاروبار کا آغاز کیجئے

کمپنی رجسٹریشن سے ویزا حصول تک
تمام مراحل کی باسہولت اور تیز رفتار تکمیل کے لئے قابل اعتماد نام

اسٹور ویب ← ریسٹورنٹ ← ای کامرس ← ٹریول اینڈ
ڈویلپمنٹ → ٹریڈنگ → آئی ٹی سروسز → ٹورازم
امپورٹ ← ہوٹل ← کنسٹرکشن ← ایمیزون
ایکسپورٹ → ٹرانسپورٹ → ریئل اسٹیٹ → آن لائن

**FREEZONE LICENSE PACKAGE**
AED22500

**PACKAGE INCLUDED**

- BUSINESS LICENSE
- FLEXI DESK
- INVESTOR VISA
- EMIRATES ID
- MEDICAL REPORT
- E-CHANNEL PORTAL

ہر وہ کاروبار جو آپ کی ضرورت ہے!

RED BERRY
CORPORATE SERVICES

1408, Opal Tower, Business Bay Dubai UAE
info@redberry.ae | +971 50 931 0752
www.redberry.ae | +971 56 336 9852

/BUSINESSINDUBAI.AE/ /company/redberryae/ /red_berry_corporate/

TOYOTA
the all new
TOYOTA YARIS
DYNAMIC FRONT BUMPER & GRILL
SLEEK DAY TIME RUNNING LIGHTS
STYLISH MACHINE FACE ALLOY RIMS
RETRACTABLE SIDE VIEW MIRRORS
LUXURIOUS BLACK INTERIOR
9" FLOATING DISPLAY WITH APPLE CARPLAY & ANDROID AUTO
SHARP REAR CAMERA
3 AIR BAGS
PUSH START
STARTING FROM
4,479,000
YARIS
Move your world
FOR BOOKING & DETAILS PLEASE CALL:
UAN: (022) 111 555 121 or 0348-111 9705
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
SITE, AUTO BHAN ROAD